دارالعلوم کراچی کا ترجمان
ماہنامہ
البلاغ
جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ فروری ۱۹۸۷ء
بانی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغٌ للنّاس

جلد ۲۱

جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ فروری ۱۹۸۷ء

شمارہ ۶

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

نگراں:

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر:

محمد تقی عثمانی

ناظم:

شجاعت علی ہاشمی

سالانہ بدل اشتراک:

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری:

ریاستہائے متحدہ امریکہ / ۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ

ہانگ کانگ، نائیجریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۱۵۰ روپے

پبلشر: محمد تقی عثمانی دار العلوم کراچی
پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴
فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

مسافرانِ آخرت

نقد و تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

اس وقت روزنامہ جنگ لاہور کی ہفتہ ۱۰ر جنوری ۱۹۸۷ء کی اشاعت ہمارے پیشِ نظر ہے اور اس میں ایک انتہائی شرمناک خبر پڑھ کر ذہن اُس حالت سے دوچار ہے جس میں اُسے رنج و اذیت کے اظہار کیلئے الفاظ میسر نہیں آتے۔ دُکھے ہوئے دل سے بیساختہ یہ کلمات اُبھرتے ہیں کہ یا اللہ! ہم کہاں پہنچ گئے ہیں؟ اور صُبح سے لیکر شام تک "اِسلام"، "اِسلام" کی رَٹ لگانے کے باوجود عملی اعتبار سے اخلاقی دیوالیہ پن کی کن پستیوں میں گرے ہوئے ہیں؟

خبر کی تلخیص کرنے سے اس کے پورے مضمرات کا شاید اندازہ نہیں ہوسکے گا، اس لئے ذیل میں یہ خبر "جنگ" ہی کے الفاظ میں من وعن پیشِ خدمت ہے:۔

بازارِ حسن میں ناچ گانا شروع ہو گیا

ناچ گانے والیاں بالکونیوں میں کھڑی نہیں ہوں گی، دروازوں پر پردے لٹکائینگی، پولیس حکام کے ساتھ مذاکرات میں فیصلہ

ہم نے آرٹسٹ کونسلوں سے زیادہ فن کی خدمت کی ہے، بازارِ حسن کے نمائندوں کا موقف

لاہور: (رپورٹنگ ڈیسک، نمائندہ جنگ) گذشتہ رات ٹبی پولیس اور بازارِ حسن کی نمائندہ تنظیم کے عہدیداروں کے مابین مذاکرات کے نتیجے میں ٹبی کے علاقے میں ناچ گانے کا کاروبار مشروط طور پر شروع ہوگیا۔ مذاکرات میں ڈی ایس پی چودھری غلام رسول، ایس ایچ او ٹبی سید پرویز شاہ اور دوسری طرف

سے میاں محمود، حاجی الطاف محمد رمضان، محمد شریف، جمیلہ بیگم، شفقت بیگم، نکو استاد بشیر حسین، خورشید قیس، اور سکندر حیدری کے علاوہ سینکڑوں دوسرے لوگ بھی موجود تھے، مذاکرات کے نتیجے میں طے پایا کہ وہ پہلے کی طرح اب بھی گیارہ بجے سے ایک بجے تک ناچ گانا گاسکیں گے لیکن وہ بالکونیوں سے باہر نکل کر کھڑی نہیں ہوں گی اور اپنے کمروں میں پردے لگا کر بیٹھیں گی۔ بازار حسن کی نمائندہ تنظیم کی طرف سے پولیس کو یہ درخواست کی گئی کہ وہ ناکہ بندی میں نرمی پیدا کرے کیونکہ موجودہ طریق کار سے سُننے کے لئے آنے والوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔

مذاکرات کا آغاز تھانہ ٹبی کے ایس ایچ او نے کیا۔

ایس ایچ او: بازار حُسن کے رسم و رواج اسلامی ہونے چاہئیں، مذہب سے متصادم —— یہاں کوئی نہیں چل سکے گا غیر اسلامی حرکتوں کو چلنے نہیں دیا جائے گا۔ بازار حسن کا تصور غیر مسلم معاشرے میں ہے، لیکن وہاں بھی کوئی ڈسپلن ہوتا ہے، یورپ میں بھی بازارِ حسن ہے لیکن وہاں ایسی حرکتیں نہیں ہوتیں جو یہاں پائی جاتی ہیں باہر سے آنے والے سوال کرتے ہیں کیا یہ اسلامی ملک ہے؟ اب اس کاروبار کو شارع عام پر نہیں ہونا چاہیئے۔

تنظیم کے صدر میاں محمود: قانون سے مراد آپ کی کیا ہے؟ ہم نے اس کاروبار کا کوئی لائسنس حاصل نہیں کر رکھا، البتہ انکم ٹیکس ضرور ادا کرتے ہیں ہم نے ثقافت کی بہت خدمت کی ہے اتنی خدمت تو آرٹس کونسلیں بھی نہیں کر رہیں، اس بازار سے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلموں کے معروف اداکاروں نے جنم لیا ہے جنہوں نے عزت اور شہرت دونوں حاصل کی ہیں اسی طرح بعض بہترین کھلاڑیوں کا ہماری برادری کے ساتھ تعلق رہا ہے۔

انسپکٹر: ہم آپ کو معاشرے میں باعزت شہری کا مقام دیتے ہیں۔

میاں محمود: گھر میں بیٹھ کر گانے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے البتہ آپ وقت کی پابندی کرا سکتے ہیں ۹ سال قبل بھی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہاں گانے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور یہ فیصلہ تو ضلعی انتظامیہ نے کیا تھا ہمیں نالی کے کیڑے نہ سمجھا جائے اگر اس سلسلے میں کبھی کوئی آرڈیننس آیا تو ہم اس کی پابندی ضرور کریں گے اگر فلموں کی پبلسٹی ہو سکتی ہے تو پھر ہم باہر کھڑے ہو کر اپنے کاروبار کی کیوں نہ پبلسٹی کریں۔

میاں محمود نے بازار حسن کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے کہا اب تو حال یہ ہے کہ ایک طرف پاکستانی فلم دکھائی جا رہی ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے ساتھ بلیو فلم چل رہی ہوتی ہے۔ اگر آپ چار دیواری میں بیٹھ کر گانے کی پابندی لگانا چاہتے ہیں تو پھر ٹائم کی پابندی بھی ختم کریں۔ کیونکہ اگر ہمیں کوئی اپنی تقریب میں مدعو کرتا ہے تو وہ ہمارا ماحول نہیں ہوتا۔

ہم نے ۱۹۷۸ء میں ہائیکورٹ میں ایک رٹ دائر کی تھی جس میں ہم نے یہ کہا تھا کہ ہم ساڑھے دس بجے تک کاروبار کرتے ہیں لیکن پولیس اور انتظامیہ ہمیں رمضان المبارک میں ایسا کرنے سے روک رہی ہے، حالانکہ ان اوقات میں نہ تو تراویح ہوتی ہیں اور نہ ہی تہجد۔ اس وقت بھی پولیس اور انتظامیہ

نے عدالت میں تسلیم کیا کہ ساڑھے دس بجے سے ایک بجے تک گانے پر کوئی پابندی نہیں، میاں محمود نے کہا، ہمیں ۸۰ء سے ۸۷ء تک کسی نے چاردیواری میں چلے جانے کی ترغیب نہیں دی۔ لیکن ہم پہلے بھی چاردیواری کے اندر ہیں۔

اس پر تھانہ ٹبی کے ایس ایچ او نے کہا: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ یہاں سے دوسری آبادی کے لوگ گزرتے ہیں یہ ان کا راستہ ہے بھاٹی، محلہ ستھاں، بازار حکیماں کا۔

جس کے جواب میں میاں محمود نے کہا کہ آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ یہاں سے روزانہ گزرنے والوں میں نابالغ لڑکے، لڑکیوں کی تعداد کتنی ہے؟

انسپکٹر: گانے کے اوقات میں تو یہاں اتنا رش ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے گزر نہیں سکتا۔ اور پھر ہمارے لئے مسئلہ یہ ہے کہ تمام علاقوں کے جرائم پیشہ لوگ ان اوقات میں یہاں اکٹھے ہوجاتے ہیں، شراب پینے والے جہاں سے بھی چلیں ان اوقات میں یہاں آجاتے ہیں اور ہلڑ بازی کرتے ہیں۔

انسپکٹر: بازارِ حسن شرفا کا راستہ بھی ہے اور یہاں جرائم پیشہ لوگ بھی آتے ہیں۔

میاں محمود: ہیرامنڈی کا علاقہ جرائم سے پاک ہے آپ خود بتائیں کہ یہاں کتنے قتل ہوتے ہیں کتنی ڈکیتیاں پڑتی ہیں اور کتنی عورتیں اغوا ہوتی ہیں ہمارے علاقے میں جرم نہیں ہوتا جبکہ دوسرے علاقوں میں جرائم کی رفتار تیز ہے۔ میاں محمود نے کہا کہ تھانہ ٹبی ۱۹۳۶ء میں لاکھوں روپے میں فروخت ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ ہماری قوم یتیم اور مسکین ہے اگر پولیس یہاں سے کوئی جوا، اور شراب پکڑے تو ہم کبھی سفارش نہیں کرتے ہمارا معاشی قتل نہ کیا جائے، انہوں نے کہا کہ مذہب کے معاملے میں ہماری قوم نہایت پکی ہے، محرم اور رمضان کے دوران دنیا کے ہر گوشے میں کام ہوتا ہے لیکن ان ایام میں بازارِ حسن کو بند رکھا جاتا ہے۔

انسپکٹر: روزی اللہ دیتا ہے ہم آپ کو روزی کمانے سے منع نہیں کرتے، آپ یقین دلائیں کہ بازارِ حسن میں ڈسپلن قائم رکھا جائے گا۔

میاں محمود: اب علاقے میں وہ جرم نہیں ہوتا جو دوسرے علاقوں میں ہوتا ہے جس طرح پولیس کا محکمہ یتیم ہے کہ تھانہ ٹبی اتنا اہم تھانہ ہے لیکن نہ تو یہاں ملازمین کے نہانے کے صحیح انتظامات ہیں اور نہ ہی رہائش کا بہتر انتظام، اسی طرح ہم بھی یتیم ہیں۔ ہم نے ہمیشہ افسروں کی اور انتظامیہ اور پولیس کی بات مانی ہے اگر آپ ہمارے کسی کمرے میں شراب، جوا یا کوئی دوسرا جرم ہوتا پکڑلیں تو آپ جو جی چاہے سزا دیں لیکن آپ ہمارا معاشی قتل نہ کریں۔ یہاں روزانہ تقریباً ۳۰۰،۳۵۰ کمرہ لگتا ہے ہر کمرے میں چار تواستاد ہوتے ہیں ایک وہ فیملی ہوتی ہے جو کمرہ سجاتی ہے پھر نوکر ہوتے ہیں پھول بیچنے والے، اور علاقے کے دکاندار، سب ملا کر ۸۰،۹۰ ہزار افراد کی روزی کا معاملہ ہے اگر ہم پر پابندی لگائی گئی تو یہ ۸۰، ۹۰ ہزار افراد کا معاشی قتل ہوگا جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ یہ کاروبار رمضان یا

محرم کے دنوں میں بند ہونا چاہیئے آپ کسی دوسرے کاروبار کی مثال دے سکتے ہیں جو رمضان میں بند ہوتا ہو البتہ محرم کے کچھ ایام میں کچھ کاروبار ضرور بند ہوتے ہیں بلکہ یہاں تو رمضان کے دنوں میں زیادہ کھال اتاری جاتی ہے گوشت ۲۸ روپے کی بجائے ۳۶ روپے کلو بکتا ہے اصل بُرائی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا۔

ایس ایچ او: آپ کو اصل بُرائی کی نشاندہی کرنی چاہیئے؟

میاں محمود: میں تو یہ کہتا ہوں کہ آرٹس کونسلیں، سینما، پبلسٹی کے دوسرے کون سے ایسے کام ہیں جو محرم یا رمضان کے تمام دنوں میں بند ہوتے ہیں۔

ایس ایچ او: میرے خیال میں دسویں محرم کے علاوہ رمضان کے دنوں میں سینماؤں پر کچھ پابندیاں ضرور ہیں۔

میاں محمود: ہاں افطاری کے وقت ایک شو نہیں دکھایا جاتا لیکن ہمارے کاروبار میں تو نہ افطار ہے نہ تہوار اور نہ سحر، ہمارا سوال تو یہ ہے کہ ان ۸۰، ۹۰ ہزار افراد کا گزارا کیسے ہوگا، اُستاد اور ان کے بچے کیسے زندگی کے دن گزاریں گے، ڈھولک بجانے والا کیسے کڑاہی اُٹھائیگا۔

ایس ایچ او: اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو روزی دیتا ہے، آپ کو بھی روزی دینے والا وہی ہے۔

میاں محمود: لیکن روزی کا کوئی ذریعہ بھی تو ہوتا ہے ہماری مزدوری یہی ہے۔

ایس ایچ او: آپ ڈسپلن کے تحت اپنا کام کریں۔

میاں محمود: ہم ڈسپلن کے تحت کام کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن کاروبار ایسا ہے کہ یہ بغیر بازار کے نہیں ہو سکتا آپ اگر بضد ہیں تو ٹھیک ہے بالکونی میں ہماری کوئی لڑکی باہر کھڑی نہیں ہوگی۔ اور نچلے حصہ میں ہم پردے لگا لیں گے۔

چودھری غلام رسول ڈی ایس پی: ٹھیک ہے آپ ڈسپلن اور ایک حد میں رہ کر اپنا کاروبار کریں ہم اسے کوئی مسئلہ نہیں بنانا چاہتے لیکن یہ کاروبار اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح طے ہوا ہے۔

(جنگ لاہور، ہفتہ ۱۰ ار جنوری ۱۹۸۷ء)

خبر ہم نے بے کم و کاست نمائندۂ جنگ کے الفاظ میں نقل کر دی ہے۔ لیکن حیران ہیں کہ اس پر تبصرہ کریں تو کیا کریں؟ اور وہ کونسا اسلوب ہو جو اس خبر کے نتیجے میں ہر مسلمان کے کلیجے پر چلنے والے آروں کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

ہمارا زبردست قومی المیہ یہ ہے کہ تقریباً نو سال سے ہم مسلسل "نفاذِ اسلام" کی مالا جپنے میں مشغول ہیں، اس غرض کیلئے نہ جانے کتنی کمیٹیاں، کتنے کمیشن اور کتنے کنونشن منعقد کر چکے ہیں، کتنے ادارے بنا چکے ہیں، لیکن بعض وہ سیدھے سادے مسائل بھی جن کو نفاذِ اسلام کی ابجد کہنا چاہیئے، ابھی تک نمٹا نہیں سکے۔

اِس مسئلے کو طے کرنے کے لئے نہ کسی کمیٹی کی ضرورت ہے، نہ کسی کمیشن اور کونسل کی کہ "بازارِ حسن" کے بازاری نام سے ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ انسانیت کی تذلیل، عورت کو بکاؤ مال بنانے کے

گھناؤنے کاروبار اور انسانی گوشت پوست کی متعفن تجارت کا دوسرا نام ہے، اور اسلام کے احکام و تعلیمات کا معاملہ تو بہت بلند ہے، ایک غیر مسلم انسان بھی جس کے دل میں انسانی شرافت کی ادنیٰ رمق موجود ہو، اس پر لعنت بھیجنے میں دریغ نہیں کر سکتا۔

پڑھے لکھے افراد کو تو الگ رکھئے، اگر ایک راہ چلتے اَن پڑھ شہری سے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، یہ پوچھا جائے کہ تمہارے خیال میں اگر ملک اسلام نافذ ہو تو کیا کیا اقدامات کئے جائیں؟ تو وہ چھوٹتے ہی جن باتوں کا ذکر کریگا، اس میں اس منحوس کاروبار کی بندش یقیناً سرِ فہرست ہوگی۔ پھر آخر اسے کیا کہا جائے کہ نو سال کے دوران ہونے والی کونسلوں، کمیشنوں اور اجلاسوں کے بعد بھی ہمیں اس بازار کے حسن و قبح پر بحث اور اُس کیلئے "منظم طریق کار" طے کرنے کیلئے بازارِ حُسن کے نمائندوں سے مذاکرات کرنے کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا مذاکرات میں پولیس انسپکٹر نے جو باتیں کہی ہیں، اگر رپورٹنگ درست ہے تو وہ بیک وقت افسوسناک بھی ہیں اور مضحکہ خیز بھی، لیکن ان باتوں کے بین السطور میں اس بچارے پولیس آفیسر کی ایک مجبوری بھی جھلکتی نظر آتی ہے، اور وہ مجبوری یہ ہے کہ "حدود آرڈی ننس" کے تحت بدکاری اور بعض دوسرے قوانین کے تحت عصمت فروشی قانوناً ضرور منع ہے، لیکن ناچ گانا یا ناچ گانے کو کاروبار بنانے کی ممانعت کیلئے بظاہر کوئی قانون موجود نہیں ہے، اب اگر پولیس انسپکٹر اس بازار کے کاروبار کو روکے تو کس بنیاد پر روکے؟ بازار کے نمائندوں کا کہنا یہ ہے کہ یہاں عصمت فروشی نہیں، بلکہ اُسی "فنِ لطیف" کی خدمت ہوتی ہے جس کی نہ صرف یہ کہ کسی قانونِ رائج الوقت میں ممانعت نہیں ہے، بلکہ جس کی سرپرستی کیلئے باقاعدہ "آرٹس کونسلیں" قائم ہیں، اور جسے عہدِ حاضر کی اندھی تہذیب نے عزت و وقار کا مقام بخشا ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو کام آرٹس کونسلوں کے عالیشان ہالوں میں دولت مند اور فیشن ایبل گھرانے سرانجام دیکر زمانے کے ساتھ چلنے کا اعزاز پاتے ہیں، اگر وہی کام کم پیسے والے ان گلیوں اور کوٹھوں پر انجام دیں، تو ان کے ہاتھ پکڑے جائیں؟

اب یہ بات تو الگ ہے کہ جو لوگ صرف ناچ گانے ہی کے شوقین ہیں موجودہ دور میں انہیں ان گلیوں اور کوٹھوں کا رُخ کرنے کی ضرورت نہیں، ٹی وی اور ویڈیو فلموں نے اُن کا یہ شوق اس طرح گھر گھر پورا کر رکھا ہے کہ اب پھونس کے جھونپڑے بھی اس سہولت سے محروم نہیں رہے، لہٰذا اس بازار کا رُخ کرنے والوں کا مطمحِ نظر کچھ اور ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس "کچھ اور" کا ثبوت کون اور کیسے مہیا کرے؟ چنانچہ جب بازار کے نمائندوں نے "فنونِ لطیفہ" کے حوالے سے اپنے کاروبار کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی تو اُس پولیس انسپکٹر کی مجبوری ظاہر تھی جس کے پاس ناچ گانے کی ممانعت کیلئے کوئی قانون موجود نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ ابتک ایسا کوئی قانون کیوں موجود نہیں ہے جو رقص و سرود کے ذریعے عورت کی تذلیل اور اُسے ہر کس و ناکس کی تفریحِ طبع کیلئے ایک کھلونا بنانے والوں کا راستہ روک سکے؟

جو معاشرے میں نسوانی اعضاء کی اس اخلاق باختہ نمائش سے پھیلنے والے کوڑھ کا علاج کرسکے، ـــــ اور جو ہماری نئی نسلوں کو مادیت اور نفسانیت کے اُس گرداب سے نجات دلاسکے جس میں پھنس کر یہ قوم اپنی حقیقی صلاح وفلاح، مادی اور روحانی بہبود اور دُنیا وآخرت کے مستقبل سے اندھی ہوچکی ہے، اتنی اندھی کہ اس کے دروازوں پر دشمن اسلحہ تیز کررہا ہے، اس کے گھر میں قدم قدم پر دُشمن کے کارندے تخریب کاری میں مصروف ہیں، بھائی کے خلاف بھائی نے کلاشنکوف اٹھائی ہوئی ہے، زندگی کے پیچیدہ مسائل نے ایک طومار بنکر جینا دُوبھر کررکھا ہے، اندرونی اور بیرونی خطرات کے طوفان سر پر منڈلارہے ہیں، اور اللہ بچائے، تباہی کے ہاتھ اس طرح شہ رگ تک پہنچے ہوئے ہیں کہ پَل بھر کا کوئی بھروسہ نہیں، لیکن یہ قوم ہے کہ ابھی تک تھرکتے ہوئے جسموں اور تانیں اڑاتے ہوئے "طاؤس و رباب" کو "فنونِ لطیفہ" قرار دیکر انہیں ہر قیمت پر باقی رکھنے کے لئے جان کی بازی لگارہی ہے، گویا کام ہے تو بس یہی، اور وقت ہے تو بس اسی کا۔

جو حکومت دن رات اسلام کا نام لیتی ہے اور جس نے اسلام ہی کے نام پر اپنا وجود قائم کیا ہے، اگر وہ "بازارِ حسن" جیسی بُرائی کو ختم کرنے اور اس آفت رسیدہ قوم کو "رقص وسرود" کے تباہ کن کاروبار سے بچانے کیلئے بھی کوئی قانون نہیں بنا سکتی تو سچی بات یہ ہے کہ اسے "نفاذِ اسلام" کے دعوے اور وعدے کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

پھر اس بُرائی ـ اور سنگین ترین بُرائی ـ کو ختم کرنے کے لئے صرف قانون بنادینا بھی کافی نہیں، بلکہ اس پر عملدرآمد کیلئے فضا کی تیاری بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ایک اسلامی حکومت کا کام صرف قانون کی لاٹھی اُٹھائے رکھنا نہیں ہوتا، بلکہ اس پر "امر بالمعروف" اور "نھی عن المنکر" کی تبلیغی اور اصلاحی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس بُرائی کے خاتمے کے لئے قانون کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کو ہمدردانہ تفہیم کی بھی ضرورت ہے جو اس گناہ کے کاروبار میں پھنسے ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ معاشرے میں ان کے لئے بہتر اور باعزت روزگار فراہم کرنا اور ذلت کے اس غار میں پھنسی ہوئی خواتین اگر حکومت اور فلاحی اور تبلیغی تنظیموں کی کوششوں سے اس گناہ کی زندگی سے صحیح معنی میں تائب ہوسکیں تو ان کیلئے معاشرے میں مناسب رشتے اور باعزت مقام کا انتظام بھی اس ذمہ داری کا ایک حصہ ہے۔

یہ درست ہے کہ اس سارے کام میں حکومت کو خیر پسند عوام اور سماجی تنظیموں کی مدد کی ضرورت ہوگی، لیکن سوال اس سمت میں قدم آگے بڑھانے کا ہے، اگر حکومت واقعۃً اس سمت میں کوئی مثبت قدم اٹھائے تو انشاء اللہ ملک ابھی ایسے خیر پسند عناصر سے بالکل خالی نہیں ہے جو اس مبارک کام میں اس کے ساتھ تعاون نہ کریں، اللہ تعالیٰ حکومت کو اس بُرائی کے صحیح معنی میں خاتمے کی سعادت بخشیں اور مسلمانوں کو اس سلسلے میں اپنے فرائض بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

محمد تقی عثمانی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

فکرِ آخرت

انبیاء کا امتیازی وصف ہے

معارف القرآن ❋ سورہ ص ❋ آیت ۴۵ تا ۶۴

خلاصۂ تفسیر

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کیجئے جو ہاتھوں (سے کام کرنے) والے اور آنکھوں (سے دیکھنے) والے تھے (یعنی ان میں قوتِ عملیہ بھی تھی اور قوتِ علمیہ بھی اور) ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یادِ آخرت کی ہے (چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ انبیاء میں یہ صفت زیادہ تام اور کامل ہوتی ہے، اور شاید یہ جملہ اس لئے بڑھا دیا ہے کہ اہلِ غفلت کے کان ہوں کہ جب انبیاءؑ اس فکر سے خالی نہ تھے تو ہم کس شمار میں ہیں) اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں (یعنی منتخب لوگوں میں سب سے بڑھکر، چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء دوسرے اولیاء اور صلحا سے افضل ہوتے ہیں) اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں (آگے توحید اور آخرت اور رسالت کا کسی قدر مفصل بیان ہے) ایک نصیحت کا مضمون تو ہو چکا (اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں کہ ان واقعات میں کافروں کے لئے عقیدہ رسالت کی تبلیغ ہے اور مومنوں کے اخلاقِ جمیلہ اور اعمالِ فاضلہ کی تعلیم ہے) اور (دوسرا مضمون آخرت کی جزا و سزا کے متعلق اب شروع ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے اس کے واسطے کھلے ہوئے ہوں گے (ظاہر مراد یہ ہے کہ پہلے سے کھلے ہوں گے) وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی (مراد حوریں ہیں، اے مسلمانو) یہ (جس کا اوپر ذکر ہوا) وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روزِ حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے، بے شک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم ہی نہیں (یعنی دائمی اور ابدی نعمت ہے) یہ بات تو ہو چکی (جو نیک بخت پرہیزگاروں کے متعلق تھی) اور (آگے کافروں کے

متعلق مضمون ہے وہ یہ کہ) سرکشوں کے لئے (یعنی جو کفر میں دوسروں کے رہنما تھے ان کے لئے) برا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے، سو بہت ہی بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (موجود) ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور (اس کے علاوہ) اور بھی اس قسم کی (ناگوار اور موجب آزار) طرح طرح کی چیزیں (موجود) ہیں (اس کو بھی چکھیں، اور جو تابع تھے ان کے لئے بھی یہی چیزیں ہیں، گو تقدم و تاخر اور اشدیت اور شدت کا تفاوت ہو، باقی نفس عذاب میں سب شریک ہیں، چنانچہ جب کافروں کے رہنما اول داخل جہنم ہو چکیں گے، پھر ان کے پیرو آئیں گے تو رہنما آپس میں کہیں گے کہ لو) یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے جہنم میں) گھس رہے ہیں اُن پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں آ رہے ہیں (یعنی کوئی ایسا جو عذاب کا مستحق نہ ہوتا تو اس کے آنے کی خوشی بھی ہوتی اور اس کی آؤ بھگت بھی کرتے، یہ تو خود ہی جہنمی ہیں - ان سے کیا امید اور اُن کے آنے کی کیا خوشی اور کیا آؤ بھگت؟) وہ (پیرو اپنے رہنماؤں سے) کہیں گے، بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے آگے لائے (کیونکہ تم ہی نے ہم کو بہکایا تھا) سو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے (جو تمہاری بدولت ہمارے آگے آیا، اس کے بعد جب ان میں ہر شخص دوسرے پر الزام رکھنے لگے گا تو اس وقت یہ متبعین ان سے خطاب چھوڑ کر حق تعالیٰ سے) دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے آگے لایا ہو اس کو دوزخ میں دونا عذاب دیجیو، اور وہ لوگ (یعنی متبعین یا سب دوزخی آپس میں) کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے (یعنی مسلمانوں کو بدراہ اور حقیر سمجھا کرتے تھے، وہ کیوں نظر نہیں آتے) کیا ہم نے (ناحق) ان کی ہنسی کر رکھی تھی (اور وہ اس قابل نہ تھے اور جہنم میں نہیں آئے) یا (یہ کہ جہنم میں موجود ہیں مگر) اُن (کے دیکھنے) سے نگاہیں چکرا رہی ہیں (کہ ان پر نظر نہیں جمتی، مطلب یہ کہ عذاب کے ساتھ یہ ایک اور حسرت ہوگی کہ جن لوگوں کو ہم برا سمجھتے تھے وہ عذاب سے بچ گئے اور) یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے (کہ ضرور ہو کر رہے گی)

معارف و مسائل

اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ - اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ " وہ ہاتھوں اور نگاہوں والے تھے " مطلب یہ ہے کہ اپنی فکری اور عملی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اعضاء انسانی کا اصل مصرف یہ ہے کہ وہ اطاعتِ الٰہی میں خرچ ہوں اور جو اعضاء اس میں خرچ نہ ہوں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے -

فکرِ آخرت انبیاء کا امتیازی وصف ہے -

ذِکْرَی الدَّارِ - اس کے لفظی معنی ہیں " گھر کی یاد " اور " گھر " سے مراد آخرت ہے، آخرت کے بجائے یہ لفظ استعمال کر کے تنبیہ کر دی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اصلی گھر آخرت ہی کو سمجھنا چاہیئے اور اسی کی فکر کو اپنے افکار و اعمال کی بنیاد بنانا چاہیئے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فکرِ آخرت انسان کی فکری اور عملی قوت کو اور زیادہ جلا بخشتی ہے بعض ملحدین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ فکرِ آخرت انسان کی قوتوں کو کند کر دیتی ہے -

حضرت الیسع علیہ السلام

وَالْیَسَعَ (اور الیسع علیہ السلام کو یاد کرو) حضرت الیسع علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں

سے ہیں اور قرآنِ کریم میں ان کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۂ انعام میں اور دوسرے یہاں۔ دونوں میں سے کسی جگہ آپ کے تفصیلی حالات مذکور نہیں، بلکہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں صرف آپ کا اسم گرامی شمار کرایا گیا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، انہی کی رفاقت میں رہتے تھے، ان کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی، بائبل کی کتاب سلاطین اول باب ۱۹ اور سلاطین دوم باب ۲ وغیرہ میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں آپ کا اسم گرامی الیشع بن سافط مذکور ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم سن عورتیں ہوں گی) ان سے مراد جنت کی حوریں ہیں اور "ہم سن" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی، اور یہ بھی کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ عمر میں مساوی ہوں گی پہلی صورت میں ان کے ہم عمر ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں محبت، اُنس اور دوستی کا تعلق ہو گا سوکنوں کا سا بغض اور نفرت نہیں ہو گی اور ظاہر ہے کہ یہ چیز شوہروں کے لئے انتہائی راحت کا موجب ہے۔

زوجین کے درمیان عمر کے تناسب کی رعایت بہتر ہے

اور دوسری صورت میں جبکہ "ہم عمر" کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہو گا اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جا سکے گا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہیئے، کیونکہ اس سے باہمی اُنس پیدا ہوتا ہے اور رشتۂ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ پر ایک سنگین الزام یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو نظر انداز کر کے یا انہیں ان کے عہدوں سے برطرف کر کے بنو امیہ کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو ولایت اور دوسرے اعلیٰ عہدوں سے نوازا یہ عہدے ایسے لوگوں کے سپرد کئے جن کے کردار داغدار تھے اور جو اخلاقی اعتبار سے امت کی قیادت کے قابل نہیں تھے اگر عہد عثمانی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے تمام دور خلافت میں کسی کو بھی بغیر کسی معقول وجہ یا شکایت کے معزول نہیں کیا[1]۔ جن لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا وہ اگرچہ نوجوان تھے لیکن ان کے کارنامے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر دور دراز کے علاقوں میں جہاد کیا اور وہاں جہالت کی تاریکی کو دور کر کے اسلام کی روشنی پھیلائی۔ حضرت عثمانؓ اور ان کے والیوں کو اس لئے مورد الزام ٹھہرایا گیا کہ یہ سب کے سب اموی تھے حالانکہ اسلام کے نقطۂ نظر سے کسی خاندان سے اگر کسی کا تعلق باعث عزت و افتخار نہیں تو دوسری طرف خاندان سے تعلق کسی منصب کے حصول کے لئے رکاوٹ کا سبب بھی نہیں بن سکتا عہدے دار کا باصلاحیت ہونا ضروری ہے۔ بنو امیہ سیاست و تدبر، نظم و تدبیر، سیادت و قیادت اور انتظامی و عسکری صلاحیتوں کے لحاظ سے پورے قریش میں ممتاز اور منفرد تھے چنانچہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعلیٰ مناصب عطا فرمائے امام تیمیہ لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں انہیں عامل بنایا۔ حضور کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے انہیں اعلیٰ عہدے دئے قبائل قریش میں کوئی ایسا قبیلہ نظر نہیں آتا۔ جس میں آنحضرت کے مقرر کردہ عمال بنو عبد الشمس سے زیادہ ہوں کیونکہ اول تو ان کی تعداد زیادہ تھی اور دوسرے ان میں شرف و سیادت تھی لہذا آنحضرت نے افضل الارض مکہ پر عتاب ابن اسیدؓ کو عامل بنایا ابوسفیانؓ کو نجران کا

---

[1] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۴۹۔

حاکم بنایا وہ حضور کی وفات تک وہاں کے عامل رہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے ان لوگوں کے سوا کسی کو عامل نہیں بنایا جن کو نبی کریم نے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ نے عامل بنایا یا پھر ان ہی کے قبیلے کے لوگوں کو عامل بنایا [1]

آنحضرتؐ نے صرف یہی نہیں کہ بنوامیہ کے افراد کو والی بنایا بلکہ آپ نے ایک ہی گھرانے کے تین افراد کو ولایت کے منصب پر متعین فرمایا ۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں ۔

سعید بن العاص کے بیٹے حضرت خالد ۔ حضرت ابان اور حضرت عمرو حضور کی وفات کے بعد حکومت چھوڑ کر واپس آگئے ۔ حضرت خالد یمن پر، حضرت ابان بحرین پر اور حضرت عمرو تبوک و فدک تیما اور خیبر وغیرہ بستیوں پر مامور تھے [2]

امام ابن عربی لکھتے ہیں :۔

لوگ بنوامیہ کی ولایت پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ سب سے پہلے جس ذات پاک نے انہیں حکومت پر متعین کیا وہ خود آنحضرت ہیں ۔ عتاب بن اسیدؓ کو جس وقت عامل مقرر کیا اس وقت ان کے چہرے پر سبزہ کا آغاز ہوا یا (ابھی) نہیں ہوا تھا ۔ حضرت معاویہؓ کو کتابت کی خدمت سے لیکر وحی الہی تک کا امین بنایا اس کے بعد ابوبکرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کو شام کا والی مقرر کیا جو ترقی کرتے کرتے اعلی مراتب و مدارج پر فائز ہوئے [3]

آنحضرت کے تمام عمال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے عہد میں اسی فیصدی عمال اموی تھے جبکہ بقیہ تمام قبائل میں سے صرف ایک ایک عامل مقرر کیا گیا ۔ ان عمال میں سے کچھ حضرات سابقین اولین میں سے تھے اکثریت غیر سابقین اولین کی تھی بلکہ بعض عمال تو ایسے تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی آنحضرت کا اتباع کیا اور بنوامیہ کو اعلیٰ مناصب عطا کئے ۔ ان کے عمال میں سے صرف دو حضرات سابقین اولین میں سے تھے لیکن اکثریت غیر سابقین اولین اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کی تھی ۔ حضرت عمر کی دور اندیشی اور جوہر شناسی مشہور ہے آپ نے بھی تقرر عمال میں آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کی البتہ آپ کے عمال میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح عشرہ مبشرہ میں سے تھے ۔

حضرت عثمانؓ نے انتخاب عمال میں اپنے پیش روؤں کی اتباع کی آپ نے جن لوگوں کو مقرر کیا ان میں اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی صلاحیتیں تھیں ۔ ان حضرات کی اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور سیاسی صلاحیتوں اور ان کے حربی کارناموں کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صحیح فکر، عمیق نظر، وسیع مطالعہ اور لاجواب انتخاب کو خراج تحسین پیش کیا جانا چاہیئے ۔ اس سے بہتر انتخاب عمال ناممکن تھا ان عمال کے فاتحانہ اور منتظمانہ شاہکار دیکھ کر حضرت عثمانؓ کے حسن انتخاب کی داد دئیے بغیر نہیں رہا جاسکتا ۔ محض اس بناء پر اعتراض کرنا کہ وہ عمال آپ کے خاندان کے تھے ۔ انصاف کا خون کرنا ہے ۔ بنوامیہ کی جن صلاحیتوں کے پیش نظر آنحضرت اور شیخین نے

---

[1] امام تیمیہ ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ۔ص ۱۷۵ تا ۱۷۶ ۔

[2] امام ابن تیمیہ ۔ منہاج السنہ ۔ جلد ۳ ۔ ص ۱۷۵ تا ۱۷۶ ۔

۳ ۔ ابن العربی ۔ العواصم من القواصم ص ۲۳۴ تا ۲۳۵ ۔

ان کو منتخب کیا حضرت عثمان رضؓ نے بھی ان ہی خصوصیات کو پیش نظر رکھا ان عمال کے کارناموں نے ثابت کر دیا کہ ان کا انتخاب غلط نہیں تھا۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ حضرات صرف حضرت عثمان رضؓ ہی کے نہیں بلکہ آنحضرت کے بھی رشتے دار تھے۔ مثلاً حضرت معاویہؓ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت سے مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عامر کا شجرۂ نسب چھٹی پشت میں آنحضرت سے مل جاتا ہے حضرت ولید بن عقبہ آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن کے صاحبزادے ہیں اور ددھیال کی طرف سے بھی پانچویں پشت میں ان کا سلسلۂ نسب حضور اکرمؐ سے مل جاتا ہے۔ امام تیمیہ لکھتے ہیں کہ۔

بنو امیہ کو مقرر کرنا سنت رسول اللہ ہے۔ آپ نے بنو امیہ کے بہت سے افراد کو مختلف عہدے عطا کئے۔ اس کے برعکس بنو ہاشم میں سے صرف حضرت علی کو یمن کا والی بنایا اور وہ بھی زیادہ عرصہ تک وہاں کے والی نہیں رہے ان کے بعد معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضؓ یکے بعد دیگرے یمن کے والی مقرر ہوئے۔[1]

حضرت عثمان رضؓ نے جن لوگوں کو مقرر کیا ان پر جو الزامات عائد کئے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ

معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف قرشی اموی ہیں ان کی والدہ ہندہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس ہیں ان کے ماں باپ دونوں کا نسب عبدالشمس سے ملتا ہے۔[2] ان کی بہن ام حبیبہ آنحضرت سے بیاہی ہوئی تھیں اس لیے یہ آنحضرت کے سالے ہوئے۔ ان کے والد فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے[3] آنحضرت نے ان کے گھر کو دارالامن قرار دیا۔[4]

ابن عباس کی روایت ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد ہی سے آنحضرت کے کاتب تھے۔[5]

حضرت امیر معاویہ رضؓ جنگ یمامہ میں موجود تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب ان ہی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔[6]

حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہد میں ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کیا ان کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ رضؓ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔

حضرت عثمان رضؓ پر حضرت معاویہ کے سلسلہ میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے ان کو شام کا والی بنا دیا۔ جبکہ حضرت عمر رضؓ نے انہیں شام کے تھوڑے سے حصہ کا والی بنایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ کو حضرت عمر رضؓ ہی نے شام کا والی مقرر کیا تھا۔ آپ تمام عہد فاروقی میں وہاں کے والی رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے انہیں برقرار رہنے دیا زیادہ تر روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

---

[1] امام تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳۔ ص ۱۷۵ تا ۱۷۶۔ [2] ابن اثیر۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵ "تذکرہ معاویہ ابن ابی صخر"۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد اوّل ص ۲۵۳ "معاویہ بن ابی سفیان"۔ [3] امام بخاری۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۲ "ابواب فتح مکہ" امام مسلم۔ صحیح مسلم جلد ۱۲ ص ۱۲۷ "فتح مکہ" ابوداؤد۔ سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۲۲۰۔ [4] ابوداؤد۔ سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۲۲۰

[5] امام ترمذی۔ صحیح ترمذی جلد ص ۲۲۹۔ مناقب معاویہ۔ ابن اثیر۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶۔ ابن کثیر۔ البدایۃ النہایہ جلد ۷ ص ۱۲۲۔

[6] ابن خلدون۔ تاریخ ابن خلدون جزو ثالث ص ۳ "عہد معاویہؓ"۔

ابن قتیبہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ نے ان کو شام کا والی بنایا یہ عمرؓ اور عثمانؓ کی طرف سے شام کے بیس سال تک والی رہے[1]

ابن عبدالبر کا قول ہے کہ "یزید کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو شام کا والی بنایا اور ایک ہزار دینار ماہانہ ان کی تنخواہ مقرر کی پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے تمام دور خلافت میں ان کو اسی پر قائم رکھا[2]

طبری کی روایت ہے کہ " عہد فاروقی میں حضرت معاویہؓ، دمشق، اردو، فلسطین اور مصر کے والی تھے[3]

حضرت اسمٰعیل بن امیہ کا قول ہے کہ " حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو پورے شام کا والی مقرر کر دیا[4]

امام ترمذی نے ابوادریس خولانی سے روایت کی ہے کہ " جب حضرت عمرؓ نے عمیر بن سعد کو شام سے معزول کر کے معاویہ کو گورنر بنا دیا۔ تو لوگ کہنے لگے کہ عمرؓ نے عمیر کو معزول کر کے معاویہؓ کو والی بنا دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم معاویہؓ کا ذکر خیر کے ساتھ کیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ معاویہؓ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما[5]

ابن سعد نے لکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کے لئے پورا شام جمع کر دیا[6] لیکن یہ ابن سعد کا اپنا قول نہیں واقدی کا قول ہے چنانچہ طبری لکھتا ہے کہ واقدی کا قول ہے کہ عہد عثمانی میں شام معاویہ کے لئے جمع کر دیا گیا[7]

تاریخ میں حضرت معاویہ کی تقرری شام کے بارے میں دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تر روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہیں شام کا والی حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔ صورت حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے مرتے وقت اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام بنایا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ پر مقرر کر دیا[8] حضرت معاویہ تمام عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں مسلسل شام کے نائب خلیفہ رہے[9]

امام ابن عربی لکھتے ہیں کہ معاویہ کو والی بنانے پر جو اعتراض ہے تو دراصل معاویہ کو پورے شام کا والی حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا عثمانؓ نے ان کو برقرار رکھا[10]

محمد رضا لکھتے ہیں :۔

امیر معاویہ کے سلسلہ میں لوگ حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن امیر معاویہ کی امارت حضرت عثمانؓ کی

---

[1] ابن قتیبہ۔ معارف ص ۲۴۹ [2] ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد اول ص ۲۵۳ [3] طبری۔ تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۸۹، عہد عمرؓ دارالمعارف ۱۹۶۳ء [4] ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴ [5] امام ترمذی۔ صحیح الترمذی جلد ۲، ص ۲۳۰۔ مناقب معاویہ۔ [6] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۴۰۶ [7] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۸ (۳۱ھ کے واقعات) اسی مضمون کی ایک اور روایت سیف بن عمر سے مروی ہے۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶۔ الاستیعاب جلد اول ص ۲۵۳ [8] ابن قتیبہ۔ معارف ص ۳۴۵۔ البلاذری۔ فتوح البلدان ص ۱۴۷۔ ذکر فلسطین۔ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۹۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد اول ص ۲۵۳ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶۔ امام تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵ تا ۱۸۶۔ [9] ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸ [10] ابن عربی۔ العواصم من القواصم ص ۸۰

ایجاد نہیں۔ ان کو آنحضرت نے والی بنایا ابوبکرؓ و عمرؓ نے والی مقرر کیا دلچسپ بات یہ ہے کہ تاریخ میں ایسے معدودے چند افراد ہیں جو حضرت عمرؓ کے پورے دور حیات میں لائق اعتماد رہے ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ انہی خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اول سے آخر تک اپنے منصب پر بدستور فائز رہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شام کا صوبہ تمام اسلامی صوبوں میں سب سے بڑھ کر انصاف پسند اور امن دوست رہا[1]

مصنفین اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں شام کے والی تھے اور تمام دور فاروقی میں وہاں کے والی رہے۔ اس پر اختلاف ہے کہ وہ پورے شام کے والی تھے یا نہیں۔ اگر حضرت عثمانؓ نے ان کو برقرار رہنے دیا تو کیا غلط کیا حضرت عمرؓ جیسے حکمران کو ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ انہیں پورے شام کا والی حضرت عمرؓ نے مقرر کیا ہو یا حضرت عثمان نے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا انتظامی امور کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے اگر تمام صوبہ ایک والی کے سپرد کر دیا جائے تو کوئی غلطی نہیں جب کہ مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ شام اس زمانہ میں سب سے خوشحال اور مضبوط صوبہ تھا۔ مقام حیرت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو سازش کی گئی اسمیں شام کے لوگ شامل نہیں تھے جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی ولایت پر اعتراض کیا ہے انہوں نے بھی حضرت معاویہؓ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کیا ——————— حضرت معاویہ نے نہ صرف یہ کہ شام کے صوبہ کو مضبوط ترین صوبہ بنا دیا بلکہ اسلامی حدود کو وسیع کیا[2] ان کے جنگی اور انتظامی کارنامے اس عہد کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے معاویہؓ سے بڑھکر کسی کو حکومت کے لئے موزوں نہیں دیکھا[3]

امام ابن تیمیہ کا قول ہے :-

امیر معاویہؓ کی سیرت رعایا کے ساتھ بہترین سیرت تھی جو کسی والی کی ہو سکتی تھی ان کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی اور ان کو پسند کرتی تھی[4]

الاعمش سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اوصاف اور انصاف کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ "اگر تم حضرت معاویہؓ کا عدل و انصاف دیکھتے تو تم سخت حیران ہوتے[5]

قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو بردباری، سیادت، متانت اور سنجیدگی میں معاویہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا[6]

العواصم من القواصم میں ہے۔

"اگرچہ اور بھی بہت سے ایسے صحابہ تھے جن میں بہت سے فضائل تھے جیسے سعد بن وقاصؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ وغیرہ لیکن امیر معاویہؓ میں چند ایسی خصوصیات تھیں جو اور کسی میں نہیں تھیں اس لئے حضرت عمرؓ نے متفرق علاقے ان کی ماتحتی میں جمع کر دئے حسن سیرت، ملت اسلامیہ کی حمایت۔ سرحدات کے تحفظ

---

[1] محمد رضا۔ عثمان بن عفان ص ۱۸۸ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "فتوحات" ص ۶ تا ۸ [3] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵۔ ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۸۲ و ۲۰۳ کا حاشیہ [4] امام ابن تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۹۔
[5] امام تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵۔ ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۲۰۵ [6] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵

لشکر کی اصلاح ۔ دشمن پر غالب آجانا اور عوام کے ساتھ سیاسی برتاؤ ان کی ایسی خصوصیات تھیں جن کا عوام و خواص کو پوری طرح احساس تھا یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی قدر کرتے تھے اور ان کے مرتبہ کو پہچانتے تھے[۱]

امام شعبی کا قول ہے کہ عرب میں ہوشیار، صاحب الرائے اور مدبر چار شخص تھے ان میں سے ایک معاویہؓ تھے اور اپنے حلم اور تدبر کی وجہ سے مشہور تھے ۔

حضرت معاویہؓ کو قیادت کی صلاحیت ورثہ میں ملی تھی وہ آنحضرت کے کاتب وحی تھے[۲] ابن عباس کا قول ہے کہ وہ آنحضرت کے ہدایت یافتہ اور فقیہ ہیں[۳] حضرت ابو درداءؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی کی نماز رسول اللہ سے اس قدر مشابہ نہیں دیکھی جیسے تمہارے اس امام کی[۴] (امام سے مراد حضرت معاویہؓ ہیں)

حضرت معاویہؓ نے آنحضرت سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جو صحیحین اور دوسرے سنن و مسانید میں موجود ہیں ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے[۵] صحابہ میں ابن عباسؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو درداءؓ جریرؓ نعمان ابن بشیرؓ ۔ ابن عمرؓ اور ابن زبیر وغیرہ نے اور تابعین میں سے ابو سلمہ، حمید بن عبدالرحمٰن عروہ، سالم علقمہ بن وقاص، ابن سیرین اور قاسم بن محمد نے ان سے روایت کی ہے ۔[۶]

حضرت عبداللہ بن عامر

عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس بن عبد المناف بن قصی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی[۷] ان کی دادی رسول اللہ کی حقیقی پھوپھی تھیں[۸]

ہجرت کے ابتدائی سنوں میں پیدا ہوئے ۔ ۷ھ میں جب رسول اللہ عمرہ قضا کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو عبداللہؓ بن عامر تین سال کے تھے رسول اللہ کے پھوپھی زاد بھائی ان کو لائے اور انہوں نے اسے چاٹا اور اپنا منہ کھول دیا ۔ رسول اللہ نے اپنا لعاب دھن ان کے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ "یہ ہمارا بیٹا ہے اور تم سے زیادہ ہمارے مشابہ ہے یہ سیراب کرنے والا ہو گا[۹] مجھے امید ہے کہ یہ متقی ہو گا اور سیدھا راستہ چلنے والا ہو گا[۱۰] ابن حبان کہتے ہیں کہ ان کو صحبت نبویہ حاصل تھی"[۱۱]

شیخین کے تمام دور اور حضرت عثمانؓ کے عہد ولایت کے ابتدائی برسوں میں بہت کم سن تھے اس لئے ان کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ۔

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے انہیں بصرہ کا عامل مقرر کر دیا ۔ حضرت عثمانؓ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے

---

[۱] العواصم من القواصم ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۳ و ۲۰۴ کا حاشیہ [۲] ابن سعد ۔ طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۴۰۶ [۳] امام بخاری ۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۰ ۔ کتاب مناقب باب ذکر معاویہ [۴] امام ابن تیمیہ ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵ ۔ ابن العربی ۔ العواصم من القواصم ص ۲۰۸ کا حاشیہ [۵] ابن کثیر ۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷ و ۱۲۰ ۔ ابن اثیر ۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶ [۶] ابن قتیبہ ۔ معارف ص ۳۲۰/۳۲۱ ابن اثیر ۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷ [۷] ابن سعد ۔ طبقات ابن سعد جلد خامس ص ۴۴ ۔ ابن اثیر ۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱ [۸] زبیری ۔ کتاب نسب قریش ص ۱۷ [۹] ابن سعد ۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۴۴ تا ۴۵ ۔ الحاکم ۔ المستدرک جلد ۳ ص ۶۳۹ ۔ ابن عبد البر ۔ کتاب الاستیعاب جلد اول ص ۳۷۵ امام محمد ۔ موطا ۳۴۳ کا حاشیہ ۔ زبیری ۔ نسب قریش ص ۱۷ [۱۰] ابن قتیبہ ۔ معارف ص ۳۲۱ [۱۱] امام محمد ۔ موطا ص ۳۴۳ کا حاشیہ ۔

حضرت ابوموسیٰؓ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن عامر بن کریز کو مقرر کر دیا جو اس وقت صرف پچیس سال کے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا اور ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو لکھا۔

"میں نے تمہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔ مجھے تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا عامل بنانا یاد ہے۔ مجھے تمہاری فضیلت بھی معلوم ہے کہ تم مہاجرین اولین میں سے ہو لیکن میں عبداللہ بن عامر کا حق قرابت ادا کرنا چاہتا ہوں اور میں نے انہیں حکم دیدیا ہے کہ وہ تمہیں تیس ہزار درہم دے دیں" [1]

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے صرف اس وجہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو علیحدہ کیا کہ وہ عبداللہ بن عامر کا حق قرابت ادا کرنا چاہتے تھے۔

یہ روایت ابن سعد نے بغیر کسی سند کے لکھی ہے (حالانکہ ابن سعد نے زیادہ تر روایتیں اسناد کے ساتھ لکھی ہیں) معارف ابن قتیبہ انساب الاشراف۔ فتوح البلدان۔ الاخبار الطوال۔ الامامۃ والسیاسہ۔ التنبیہ والاشراف۔ مروج الذہب وغیرہ میں ایسی کوئی روایت نہیں جو اس روایت کی تصدیق کرتی ہو۔ مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اہل بصرہ کی درخواست پر معزول کئے گئے تھے [2]۔

اسی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا "واللہ عثمان نے مجھے بصرے سے اس حالت میں معزول کیا کہ میرے پاس نہ کوئی دینار تھا نہ کوئی درہم میں اس وقت تک بصرہ چھوڑنے کے قابل نہیں رہا۔ جب تک کہ مدینے سے میرے اہل و عیال کے وظیفے نہ آئے میں نے ابن عامر سے کچھ نہیں لیا" اسی روایت میں کہا گیا ہے کہ ان کے پاس ابن عامر آئے اور کہا کہ "اے ابوموسیٰ اشعریؓ آپ کے بھائی کی اولاد میں مجھ سے زیادہ آپکی فضیلت جاننے والا کوئی نہیں ہے اگر آپ قیام کریں تو آپ ہی اس شہر کے امیر ہیں اور اگر کوچ کریں تو آپ کے ساتھ احسان کیا جائے گا انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے اللہ تمہیں جزائے خیر دے پھر کوفہ کی جانب کوچ کیا [3]

اس روایت میں تین متضاد باتیں پیش کی گئی ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ نے ابن عامر کو حکم دیا کہ وہ تیس ہزار درہم انہیں دے دیں۔

(۲) ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ عثمانؓ نے مجھے اس حالت میں معزول کیا کہ میرے پاس نہ کوئی دینار تھا اور نہ درہم یہاں تک کہ مدینہ جانے تک کے لئے زادراہ پاس نہ تھا۔

(۳) ابن عامر نے ان سے کہا کہ اگر آپ قیام کریں تو آپ ہی اس شہر کے امیر ہیں اور اگر آپ کوچ کریں تو آپ کے ساتھ احسان کیا جائے گا۔

روایت کا یہ تضاد اس کے وضعی اور حقیقت سے بہت دور ہونے کی دلیل ہے ایک ہی روایت میں تین متضاد باتیں کس طرح صحیح ہو سکتی ہیں۔ متذکرہ تینوں باتوں کی تصدیق کسی دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی۔

عبداللہ بے حد شریف۔ سخی۔ کریم اور نہایت بہادر تھے۔ اپنی قوم اور قرابت داروں سے احسان کرنے والے تھے لوگوں میں محبوب تھے۔ جہاد کرتے اور اگر لشکر میں کسی کا کجاوہ گر پڑتا تو اس کی اصلاح کرتے تھے [4]۔

---

[1] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۵ ص ۴۵ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ص ۱۵۹ [3] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۴۵ [4] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۵۔ ص ۴۵۔

صحابہ کرام ان کی فیاضی کے معترف تھے ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ "جب عبداللہ بن عامر بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لوگوں سے کہا۔

"تمہارے پاس قریش کا ایک معزز نوجوان آرہا ہے جو تم میں (ہاتھوں سے اشارہ کر کے) اس طرح روپیہ برسائے گا[۱]

امام ابن کثیر کا قول ہے کہ "وہ نہایت شریف تھے اور لوگوں میں ہر دلعزیز تھے[۲]"

طبقات میں ہے کہ "حضرت علیؓ نے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ قریش کے نوجوانوں کے سردار ہیں"[۳]

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت کی جو کیفیت تھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا[۴]"

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ان کو والی بصرہ مقرر کیا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی لیکن بصرہ کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں آتے ہی بلاد عجم میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ ان کی فتوحات کا رقبہ انتہائی وسیع ہے ایران کے غیر مقبوضہ علاقوں سے لیکر خراسان اور ماوراء النہر تک کا علاقہ سب ان ہی کی زیر قیادت فتح ہوا۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے "اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ عبداللہ نے اطراف فارس، خراسان کا پورا علاقہ، اصفہان، حلوان اور کرمان فتح کیا[۵] اس کے علاوہ سجستان اور غزنہ بھی ان ہی کے زیر امارت فتح ہوئے[۶] ان کے عہد میں ایرانیوں کا آخری بادشاہ یزدجرد مارا گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے احرام باندھا حج شکرانہ ادا کر کے مکہ سے مدینہ آئے اور مال غنیمت کا بہت سا حصہ مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا (اہل مدینہ ان کے اس فعل سے بے حد خوش ہوئے) ان فرائض سے سبکدوش ہو کر بصرہ واپس گئے[۷]

حضرت عبداللہ کو انتظامی امور کا بہت سلیقہ تھا وہ جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھے۔ انہوں نے اپنے عہد میں رعایا کے آرام و آسائش کے لئے بصرہ میں نہر کھدوائی اور بہت سے مکانات خرید کر بازار بنوائے[۸] عرب کی خشک زمین پر کثرت سے پانی رواں کیا۔ عرفات میں حجاج کو پانی تکلیف ہوتی تھی۔ عبداللہ نے بڑے بڑے تالاب بنوا کر ان میں نہروں سے پانی اتارا[۹] اس کے علاوہ مختلف مقامات پر بکثرت کنویں کھدوائے یہ آنحضرت کی پیشگوئی کی عملی تفسیر تھی کہ "وہ سیراب کرنے والے ہوں گے[۱۰] انہوں نے باغات بنوائے چشمے کھدوائے کھجور کے درخت لگوائے حوض بنوائے اور نہریں کھدوائیں[۱۱]

عبداللہ لوگوں میں انتہائی محبوب ہر دلعزیز تھے جتنے صاحب ثروت تھے اتنے ہی فیاض تھے عرب کے مشہور فیاضوں میں سے ایک تھے[۱۲] ان کی فیاضی پر زیادہ اعجم نے ایک زبردست قصیدہ لکھا[۱۳]

---

[۱] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۸۔ تذکرہ عبداللہ بن عامر [۲] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۸۔ تذکرہ عبداللہ بن عامر۔

[۳] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۵ ص ۴۷ [۴] امام تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۹ تا ۱۹۰۔

[۵] ۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد اول ص ۳۷۶ ۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۸

[۶] ابن اثیر ۔ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱ [۷] ابن اثیر اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱

[۸] ابن سعد ۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۴۷ ۔ ابن اثیر۔ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱۔

[۹] ابن اثیر۔ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱ تا ۱۹۲۔ الزرکلی۔ الاعلام جز ۴ ص ۲۲۸ [۱۰] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۴۵ تا ۴۷ ۔

ابن اثیر۔ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۱ [۱۱] ابن قتیبہ ۔ معارف ابن قتیبہ ص ۳۲۱۔

[۱۲] ابن اثیر۔ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲ [۱۳] ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد اول ص ۳۷۶۔

حضرت عبداللہ حضرت عثمان کی شہادت تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ حادثہ کی خبر سن کر بیت المال کا روپیہ لے کر مکہ چلے آئے۔

حضرت ولید بن عقبہ

حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابو عمرو بن امیہ بن عبد الشمس حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی تھے[1] آپ آنحضرت کے بھانجے ہیں اور صغار صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت ولید بن عقبہ کی تمام تربیت حضرت صدیق اکبرؓ نے کی۔ بارگاہِ صدیقی میں ان کی وہی حیثیت تھی جو کہ حضرت ابن عباس کی حضرت فاروقؓ کے یہاں تھی۔ باوجود صغر سنی اور نوعمری کے اکابر صحابہ کی مجلس میں بار تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں انہوں نے اہم خدمات انجام دیں[2]

حضرت عثمان پر ایک الزام یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت کے دوسرے سال سعد بن ابی وقاص کو امارت کوفہ سے معزول کر کے ولید بن عقبہ کو مقرر کیا۔ جو ان کے ماں شریک بھائی تھے وہ فاسق و فاجر تھے ان کے فسق پر قرآن نازل ہوا۔ اپنے عہد امارت میں انہوں نے شراب پی اور نشے کی حالت میں صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار پڑھا دی۔

ان الزامات کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید بن عقبہ جیسے شخص کو جس میں اس قدر نمایاں کرداری کمزوریاں تھیں مقرر کیا۔

حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا والی مقرر کیا سعد ایک سال سے زیادہ عرصہ تک وہاں کے والی رہے اس کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال کے درمیان قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں کچھ جھگڑا ہوگیا (سعدؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا تھا) بات اس قدر بڑھی کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے علم میں لائی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے سعدؓ کو معزول کر کے ولید کو مقرر کر دیا[3]۔ لیکن معترضین نے اس بات کو نئے رنگ میں پیش کیا چنانچہ البلاذری ابو مخنف کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"جب ولید بن عقبہ والی ہو کر آئے تو عبداللہ بن مسعودؓ بیت المال پر تھے ولید نے ان سے کچھ قرض مانگا جو انہوں نے دیدیا۔ پھر اس کا تقاضہ کیا۔ ولید نے حضرت عثمانؓ کو ان کی شکایت لکھ بھیجی حضرت عثمانؓ نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم ہمارے خازن ہو ابن مسعودؓ نے بیت المال کی چابیاں پھینک دیں اور کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ میں مسلمانوں کا خازن ہوں اگر تم مجھے اپنا خازن سمجھتے ہو تو مجھے اس کی ضرورت نہیں"[4]

دراصل یہ واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان پیش آیا تھا۔ ولید بن عقبہ کے ساتھ نہیں اور سعدؓ کی معزولی کی یہی وجہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ولید کے عہد میں مہتمم بیت المال رہے۔ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے چابیاں پھینک دیں اور اپنی خدمت سے دستبردار ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ نے خود معزول کیا تھا[5]۔

---

[1] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۲۴ ۔ سیوطی۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹ [2] ابن قتیبہ۔ معارف ص ۳۱۹ ۔ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۴۸ و ۵۹ ۔ ابن عربی۔ العواصم من القواصم ص ۸۶ کا حاشیہ [3] ابن قتیبہ۔ معارف ص ۳۱۹ ۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد ۲ ص ۵۴۴۔ سعد بن ابی وقاص ۔ ابن اثیر۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱ [4] البلاذری۔ انساب الاشراف جزو ۵ ص ۳۰-۳۱ [5] تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائے۔ عبداللہ بن مسعود۔ ص ۱۹۴

ابن عبد البر نے ایک روایت میں لکھا ہے ۔

جس وقت ولید تقرری کا پروانہ لے کر کوفہ پہنچے تو حضرت سعد نے ان سے کہا معلوم نہیں تم ہمارے بعد زیادہ دانا ہو گئے ہو یا ہم تمہارے بعد زیادہ احمق ہو گئے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اے ابو اسحٰق یہ تو بادشاہی ہے صبح کوئی حاکم ہوتا ہے شام کو کوئی ۔ ؎

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے خلافت کو بادشاہی میں تبدیل کر دیا تھا ۔

طبقات ابن سعد ۔ معارف ابن قتیبہ ۔ مروج الذہب ۔ التنبیہ والاشراف ۔ اخبار الطوال ۔ تاریخ لیعقوبی تاریخ طبری ۔ البدایہ والنہایہ ۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں جو مذکورہ بالا روایت کی تصدیق کرتی ہو

البلاذری نے ابو مخنف کے حوالے سے ایک روایت میں تحریر کیا ہے ۔

جس وقت ولید والی ہو کر آئے تو لوگوں نے کہا کہ عثمانؓ نے ہم پر ایک بہت ہی بڑے شخص کو والی بنا دیا اور ابو اسحٰق کو معزول کر دیا جو انتہائی نرم دل تھے ۔ ایک عقلمند اور صاحب رسول کو معزول کر کے ایک فاسق ، فاجر ، احمق اور مجنون کو مقرر کر دیا ۔ ؎

اس روایت میں راوی نے گویا یہ واضح کر دیا کہ ولید فاسق و فاجر احمق اور مجنون تھے ۔ کیا عہد رسالت کے اس قدر قریب زمانہ میں ایک خلیفہ راشد کسی فاسق ، فاجر اور احمق شخص کو والی مقرر کر سکتا تھا اور صحابہ کرام اس تقرر کو قبول کر سکتے تھے اس دور کی خصوصیات کے پیش نظر ایسی کسی روایت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا ۔ یہ روایت واقعات کے سراسر خلاف ہے اور روایت و درایت کے لحاظ سے اعتبار کے قابل نہیں ۔ اس سے قطع نظر ولید کے عظیم کارنامے اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ کسی فاسق و فاجر کے نہیں بلکہ ایک عقلمند اور صاحب تدبر کے ہیں ۔

ایک دلچسپ بات اس روایت کی یہ ہے کہ اسی روایت میں کہا گیا ہے کہ لوگ ولید کو عقلمند اور صاحب تدبر کہتے تھے تو کیا ایک فاسق فاجر احمق اور مجنون عقلمند اور صاحب تدبر بھی ہو سکتا ہے ۔

حضرت ولید بن عقبہؓ کے بارے میں عام طور سے ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ فاسق تھے اور ان کے فسق پر قرآن نازل ہوا تھا ۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں ۔

اہل علم اور تفسیر قرآن کے ماہرین کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ " ان جاءکم فاسق بنبأ " ؎ (جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے)

یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ۔ وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت نے انہیں بنی المصطلق کی طرف صدقہ وصول کرنے بھیجا ۔ انہوں نے خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور ادائے صدقہ سے انکار کرتے ہیں ، ہوا دراصل یہ کہ حضرت ولید بن عقبہ وہاں گئے لوگ ان کی طرف نکلے یہ ان سے دہشت زدہ ہو گئے اور ان لوگوں سے اس طرح جمع ہونے کا سبب دریافت نہیں کیا ۔ واپس لوٹ آئے رسول اللہ سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ آنحضرت نے خالد کو بھیجا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں ۔ انہوں

؎ الاستیعاب ۔ جلد ۲ ص ۶۰۴ ۔ ؎ البلاذری ۔ انساب الاشراف جزو ۵ ص ۲۹ تا ۳۰ ۔

؎ البلاذری ۔ انساب الاشراف جزو ۵ ص ۲۹ تا ۳۰ ؎ قرآن ۔ پارہ ۲۶ ۔ سورۃ الحجرات ، آیت ۶ ۔

نے آکر بتایا کہ وہ اسلام پر قائم ہیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت مجاہد اور قتادہ سے بھی مروی ہے[۱]

اس الزام کا جواب دیتے ہوئے علامہ خطیب فرماتے ہیں:۔

(۱) یہ روایت موقوف ہے مجاہد پر یا قتادہ پر یا ابی لیلی پر یا یزید بن رومان پر اور ان سے سو برس پیچھے کے عرصہ میں جتنے راوی ہیں سب کے سب علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک مجہول ہیں۔ ان کے نام تو کیا معلوم ہوتے ان کے احوال بھی معلوم نہیں۔ ایسی منقطع روایت کو حجت کیسے بنایا جاسکتا ہے[۲]

(۲) ایک اور روایت میں ام المومنین سلمہؓ کے ایک غلام ثابت سے موسیٰ بن عبیدہ کا روایت کرنا بیان ہوا ہے یہ موسیٰ بن عبیدہ وہ صاحب ہیں جنہیں امام نسائی، ابن مدائنی، ابن عدی اور دوسرے بزرگوں نے ضعیف کہا ہے۔ علامہ ابن خطیب کہتے ہیں کہ "مجھے تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب اور خلاصہ تہذیب الکمال میں ام المومنین کے کسی غلام کا نام ثابت نہیں ملا حتی کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی نہیں۔ پھر میں نے مسند امام احمد بن حنبل میں ام المومنین ام سلمہ کے مجموعہ احادیث میں ایک غلام ثابت نام کی تلاش کی۔ لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ملی جو ان کے کسی غلام ثابت کے نام سے مروی ہو[۳]

(۳) ایک دوسری موصولہ روایت طبری نے اپنی تفسیر میں ابن سعد کے حوالے سے تحریر کی ہے۔ طبری کہتے ہیں کہ میں نے ابن سعد سے انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے چچا سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے سنی لیکن ابن سعد سے طبری کی ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا اس لئے کہ ابن سعد کی وفات بغداد میں ۲۳۰ھ میں ہوئی اور اس وقت طبری چھ برس کے بچے تھے۔ علاوہ ازیں ابن سعد اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ان کے اوپر کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی مجہول لوگوں پر مشتمل ہے۔ جن کے نام اور احوال علمائے جرح و تعدیل کے ہاں نامعلوم ہیں لہٰذا طبری کی اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے[۴]

(۴) اس کے علاوہ یہ بات قابل غور ہے کہ جو روایتیں موصولاً بیان ہوئی ہیں ان میں سیدہ ام سلمہ سے مروی الفاظ میں کسی کا نام نہیں بلکہ یہ ہے کہ "ایک شخص کو بھیجا"۔ اب سوچنا چاہیئے کہ ایک شخص کو "ولید بن عقبہ" کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس امام احمد نے عبداللہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے فیاض بن احمد الرقی سے انہوں نے جعفر بن برقان سے انہوں نے ثابت بن الحجاج الکلابی الرقی سے انہوں نے عبداللہ الہمدانی سے اور انہوں نے امیر ولید بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ "فتح مکہ کے وقت وہ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے سب کے سروں پر ہاتھ پھیرا سوائے ان کے، کیونکہ ان کے سر میں خلوق لگا ہوا تھا۔ اور آپ نے سب کے لئے دعائیں کیں[۵] جو شخص فتح مکہ کے وقت لڑکا ہو اسے صدقات کی وصولیابی کے لئے کیسے بھیجا جاسکتا ہے۔

جس شخص کے جھوٹ اور فسق کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی ہو اس کو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کیسے بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے دے سکتے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے پہلی خدمت جو ان سے لی وہ فوجی خط و کتابت تھی جو بصیغۂ راز آپ کے اور آپ کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں عیاض بن غنم فہری کی مدد

---

[۱] ابن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب جلد ۲ ص ۳ و ۴، ۶۰۰ [۲] ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۹۱ کا حاشیہ [۳] ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۹۱ کا حاشیہ [۴] ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۹۲-۹۱ کا حاشیہ [۵] امام احمد۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۳۲۔

کے لئے بھیجا۔ ۱۳ھ میں صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجے گئے۔ جب فتوحات شام کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمرو بن العاص کی طرح فوج کے ایک حصہ کی قیادت آپ کے سپرد کی گئی اور آپ کو شرق اردن کی طرف بھیجا گیا [۱] پھر حضرت عمرؓ نے انہیں جزیرہ کا والی بنایا [۲] ابن خطیب کہتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے ان کو ہمیشہ قابل فخر اور قابل اعتماد نوجوانوں میں دکھا [۳] ہم ایک صحابی کو کیسے فاسق کہہ سکتے ہیں۔

اگر وہ فاسق تھے اور ان کے ذمہ اہم ملکی امور سونپے گئے تو یہ الزام حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر زیادہ شدت سے عائد ہوتا ہے حضرت عثمانؓ پر نہیں۔ حضرت ولیدؓ کے فاسق ہونے کے بارے میں طبقات میں کوئی روایت نہیں ہے [۴] معارف میں ہے کہ — اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ والی آیت ان کے فسق پر اتری۔ مصنف نے اسے بغیر کسی سند کے بیان کیا ہے۔ یہی مصنف کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں بنی تغلب کے صدقات پر عامل مقرر کیا [۵] کیا حضرت عمرؓ کسی فاسق شخص کو صدقات کی وصولی پر مقرر کر سکتے ہیں جب کہ ان کا فسق اسی سلسلہ میں ظاہر ہوا ہو، ابن حجر نے بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا کہا جاتا ہے اور پھر ابن عبدالبر کا قول پیش کیا ہے [۶] سند انہوں نے کوئی پیش نہیں کی ہے۔

(۱) ابن حجر نے اس واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قصے کو عبدالرزاق نے بھی معمر اور قتادہ کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے [۷]

(۲) ایک اور روایت اس سند سے بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ بن حمید نے یونس بن محمد بن شیبان بن عبدالرحمٰن سے سنی اور انہوں نے قتادہ سے سنی۔

(۳) ایک اور روایت کا سلسلہ اس طرح سے ہے کہ "حکم ابن ابان نے عکرمہ سے انہوں نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے سُنا۔

(۴) طبرانی نے سند موصول کے ساتھ اس روایت کو حرث بن ابی خراد کے حوالے سے لکھا ہے (مصنف نے پوری سند نہیں لکھی) اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ اس سند میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو کہ معروف نہیں [۸]

حضرت ولید بن عقبہ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے شراب پی اور نشے کی حالت میں صبح کی نماز پڑھائی اور لوگوں سے کہا کہ "کیا اور پڑھاؤں" دراصل مخالفین ولید بن عقبہ نے ان کے خلاف ایک سازش تیار کی۔ جس کے تحت ان پر مندرجہ بالا الزامات لگائے گئے [۹]

دو آدمی حضرت عثمانؓ کے پاس مدینہ گئے اور انہوں نے حضرت ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کا الزام لگا ان میں سے ایک نے گواہی دی کہ اس نے ان کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا کہ اس نے انہیں شراب قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو طلب کیا انہوں نے کہا "امیرالمومنین خدا کی قسم یہ دونوں میرے دشمن ہیں:

---

[۱] طبری۔ تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۰، ۲۲، ۲۴۔ علی الترتیب، ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۸۶ کا حاشیہ۔

[۲] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۰ [۳] ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ۹۵

[۴] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۲۴ [۵] ابن قتیبہ۔ المعارف ص ۳۱۹ [۶] ابن حجر۔ اصابہ فی تمیز صحابہ جلد ۳ ص ۶۳۷ [۷] ابن حجر اصابہ فی تمیز صحابہ جلد ۳ ص ۶۳۷ [۸] ابن حجر۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ قسم اول جلد ۳ ص ۶۳۷ تا ۶۳۸ [۹] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۵۹ و ۶۰، ۶۱، ۶۲۔

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "ہم تک جو شہادت پہنچی ہے ہم اس کے مطابق عمل کریں گے جو ظالم ہوگا اللہ اس سے بدلہ لیگا اور جو مظلوم ہوگا اسے اجر دے گا۔[1] حضرت عثمان نے ان پر حد جاری کر دی اور ان سے کہا کہ "تم صبر کرو جھوٹے گواہ جہنم میں جائیں گے۔[2]

ابن حجر کہتے ہیں کہ بعض اہل کوفہ نے ان پر تعصب کیا اور ان پر جھوٹی گواہی دی۔[3] سیف کی روایت ہے کہ "حضرت ولید کے بارے میں لوگ دو حصوں میں منقسم ہو گئے تھے عوام ان کے ساتھ تھے اور خواص ان کے خلاف تھے۔ لوگوں کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ صفین کا معاملہ پیش آیا۔ کچھ لوگ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ کو (یعنی حد جاری کرنے اور برطرف کرنے کو) غلط بتانے لگے اور کہنے لگے کہ انہوں (حضرت عثمانؓ) نے غلط کام کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ "تم لوگوں کی حالت ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص اس کوشش میں کہ وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کو زخمی کر دے خود اپنے نیزہ مار لے۔ حضرت عثمانؓ کا کیا قصور کہ انہوں نے لوگوں کے کہنے پر ایک شخص کو سزا دی اور اس کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا۔[4]

شراب کی حد جاری کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ "نشے کی حالت میں نماز پڑھانے اور "ازیدکم" کہنے کا واقعہ مشہور اہل حدیث اور اہل روایت کے ثقہ لوگوں کے بیان کے مطابق مشہور ہے۔ نیز وہ لکھتے ہیں کہ اصمعی، ابو عبیدہ، ابن الکلبی وغیرہم کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہ فاسق تھے اور شراب نوشی کے عادی تھے۔[5] طبری نے سنہ ۳۰ھ کے واقعات کے تحت اس واقعہ کی پوری تفصیل بیان کی ہے اس میں نہ کہیں نماز پڑھانے کا ذکر ہے نہ اور نہ پڑھاؤں کہنے کا اور نہ دو رکعتوں اور چار رکعتوں کا۔[6] گویا ابن عبدالبر سے ایک صدی پہلے کے مورخ نے نماز پڑھانے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ الاستیعاب میں نماز فجر پڑھانے کی جو وضعی روایت ہے اس کے راوی ضمرہ بن ربیعہ متہم بکذب تھے اور ابن شوذب سے منقول ہے جو واقعہ سے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ البتہ احادیث میں ایک روایت حصین بن المنذر کی ہے (جو کہ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) لیکن وہ اس واردات کے وقت کوفہ میں تھے عثمانی عدالت میں گواہ کی حیثیت سے موجود نہیں تھے اور نہ انہوں نے اپنے بیان کی کوئی سند دی۔ وہ صرف اس موقع پر موجود تھے جب حد جاری کی گئی یہ روایت اس طرح ہے کہ "ہم سے حصین بن المنذر ابوساسان نے بیان کیا کہ "میں عثمانؓ بن عفان کے حضور اس وقت موجود تھا جب ولید کو لایا گیا انہوں نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں اور پھر کہا تھا کہ کیا "اور زیادہ" کروں تو ان پر دو آدمیوں نے گواہی دی۔ ان میں ایک حمران تھا اس نے گواہی دی کہ انہوں نے شراب پی تھی دوسرے نے گواہی دی کہ "اس نے انہیں شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "قے تو تب ہی کی ہوگی جب پی۔ پھر فرمایا کہ اے علی اٹھو اور اس کے کوڑے لگاؤ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے حسن اٹھو اور اس کے کوڑے لگاؤ" (حضرت) حسن نے فرمایا کہ "اس کی گرمی اسی کے سپرد کیجئے جس نے اس کی ٹھنڈک کا مزا لیا ہے (گویا آپ اس واقعہ کو غلط سمجھتے تھے) پھر آپ نے عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا کہ اٹھو اور کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کوڑے لگائے اور (حضرت) علیؓ گنتے رہے۔ جب یہ چالیس تک پہنچے تو (حضرت علیؓ) نے فرمایا کہ بس رک جاؤ۔[7]

یہ حدیث مسند احمد میں ابی حصین کے حوالے سے تین جگہ مذکور ہے دو سندوں میں حصین کا کوئی قول نماز کے بارے میں مذکور نہیں البتہ تیسری سند میں حصین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "انہوں نے صبح کی چار رکعتیں پڑھائیں" صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت

---

[1] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۱ [2] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۲ [3] ابن حجر۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ قسم اول جلد ۳ ص ۶۳۰ [4] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۲ [5] ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۰۳ [6] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۶۰ تا ۶۲ [7] مسلم۔ صحیح مسلم جزو ۱۱ ص ۲۱۶ کتاب الحدود، باب حد الخمر۔ شاہ ولی اللہ۔ ازالۃ الخفا۔ مقصد ۲ ص ۲۳۹۔

میں دو رکعت کا ذکر ہے۔ سنن بیہقی میں دو روایتیں ہیں جو حصین ہی سے روایت کی گئی ہیں ان میں ایک روایت (جو کہ حصین بن منذر ہی سے بیان کی گئی ہے) میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھائی اور کہا کہ کیا اور پڑھاؤں [١]

سنن ابی داؤد میں بھی ایک روایت حصین بن المنذر ہی سے مروی ہے اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے [٢]

سنن ابن ابی ماجہ میں دو روایتیں ان ہی حضین بن المنذر سے بیان کی گئی ہیں لیکن اس میں بھی نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے [٣]

بخاری نے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ [٤]

(١) اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ نماز کا ذکر حضین نے کیا ہے اور غالباً اس شہرت کی بنا پر کیا ہے جو روایت بیان کرتے وقت تک ہو چکی تھی۔ اس قول کا نفس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ گواہوں نے جو گواہی دی اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ایک نے شراب کا پینا بتایا اور دوسرے نے اس کو قے کرنا اور گواہوں کا یہی بیان حضین نے بھی دیا۔ لہٰذا دو یا چار رکعت پڑھانا اور پھر اور پڑھاؤں کہنا بعد کے لوگوں کی اپنی ایجاد ہے جو روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔

(٢) طبری نے ابوزینب اور ابومورع کا انگوٹھی چرا کر مدینہ آنا اور شراب پینے کی گواہی دینے کا ذکر کیا ہے اور روایت زیر نظر میں ایک نام حمران ہے اور دوسرے کا نام نہیں دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں شرب خمر کی گواہی دینے کی ہمت ابومورع اور ابوزینب کو نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے دو آدمیوں کو تیار کیا جن میں سے ایک حمران ہے۔ اس حمران کے بارے میں ابن الخطیب کہتے ہیں کہ "یہ شخص امیرالمومنین عثمانؓ کے غلاموں میں تھا اور منجملہ اور شرارتوں کے اس نے یہ حرکت بھی کی تھی کہ ایک مطلقہ عورت سے اس کی عدت کے اندر نکاح کر لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی اس حرکت سے ناراض ہو کر اسے بطرف کر دیا تھا یہ شخص کوفہ چلا گیا اور وہاں بھی اس نے اپنی شرارتیں جاری رکھیں۔ یہاں اس نے ایک عابد و زاہد شخص حضرت عامر بن قیس کے متعلق جھوٹی باتیں ارباب حکومت کو پہنچائیں۔ چنانچہ سزا کے بعد اسے کوفہ سے بھی نکال دیا گیا۔ یہ شام چلا گیا اور پھر دلچسپ بات یہ کہ امیر ولیدؓ کے بارے میں گواہی دینے مدینہ چلا گیا۔" [٥]

اب رہے اصمعی ابو عبیدہ اور ابن کلبی تو ان کے بیان کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔ ان میں سے کوئی حضرت ولید بن عقبہؓ کا معصر نہیں ہے علماء حدیث کے ہاں ان کے بیان کی نہ کوئی اہمیت ہے نہ کوئی قیمت پھر ابن الکلبی تو رافضی راوی ہے اور انتہائی درجہ غالی سبائی کا بیٹا ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ ابن عساکر کہتے ہیں کہ "رافضی ہے ثقہ نہیں"۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ قصہ گو تھا۔ اس قابل نہ تھا کہ کوئی اس سے روایت کرے۔ دار قطنی نے متروک کہا ہے [٦] اسی طرح ابو عبیدہ و اصمعی ہیں جن دونوں کو ابوزید الانصاری نے کذاب کہا تھا [٧]

رہا ابن عبدالبر کا یہ قول کہ نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کہنا تو اہل حدیث اور رواۃ الاخبار کے ہاں مشہور ہے چند امور پر غور کرنے کے بعد اس قول کو مستند بنانا درست ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(١) رواۃ اخبار میں انہوں نے تین اشخاص کا نام لیا ہے۔ ان میں ابن الکلبی رافضی ہے وہ اگر ہم عصر بھی ہوتا تو اس کی بات بطور سند پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ باقی دو بھی کذاب ہیں اور اس دور کے ہیں جب کہ امویوں کے خلاف پروپیگنڈا انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

---

[١] امام بیہقی۔ سنن بیہقی جلد ٨ ص ٣١٨ [٢] ابو داؤد۔ سنن ابی داؤد جلد ٤ کتاب الحدود ص ٢٢٨، ٢٢٧ [٣] ابن ماجہ۔ سنن ابی ماجہ جلد ٢ ص ١٢١-١٢٠ باب حد السکران [٤] امام بخاری۔ صحیح بخاری جلد ٢ ص ٢٢٢ باب ہجرۃ حبشہ [٥] ابن العربی۔ العواصم من القواصم ص ٩٨ کا حاشیہ

[٦] ذہبی۔ میزان الاعتدال۔ جلد ٣ ص ٢٥٦ [٧] ذہبی۔ میزان الاعتدال جلد ٣ ص ٢٥٦۔

(٢) رواۃ اخبار میں زیادہ معتبر طبری ہیں لیکن انہوں نے نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔

(٣) ابن عبدالبر نے "مشہور" اگر حدیث کی اصطلاح میں استعمال کیا ہے تو حدیث موجود ہے عدالت کے سامنے دو گواہ پیش ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے شراب پیتے دیکھا اسی کے بیان پر حد جاری ہوتی ہے کسی گواہ نے نماز پڑھا کر اور "پڑھاؤں" کا ذکر نہیں کیا۔

(٤) حضین جو اس واقعہ کے تنہا راوی ہیں انہوں نے نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا بلکہ بعد کبھی بیان کیا ہے جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے دو نے یہ الفاظ حضین کے بیان نہیں کئے۔ جن لوگوں نے انہیں حضین کے الفاظ کہا ہے ان میں سے ایک نے کہا کہ چار رکعتیں پڑھا دیں اور ایک نے بتایا کہ دو رکعتیں پڑھا کر اور پڑھاؤں کہا۔ گویا جس شخص پر مدار ہے اسی کے کہنے میں اختلاف ہو گیا تو روایت کا یہ ٹکڑا خود بخود ساقط عن الاعتبار ہو گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضین نے یہ الفاظ کہے ہی نہ ہوں۔ بعد میں کسی راوی نے ان کی طرف منسوب کر دئیے ہوں جبکہ حضین صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں [١] پھر کوفی نہیں بصری ہیں [٢] اور واقعہ کے وقت عالم طفولیت میں ہیں کیونکہ ان کی وفات ٩٦ھ اور امام بخاری کے قول کے مطابق ١٠٠ھ میں ہوئی [٣]

روایات کے علاوہ یہ واقعہ درایت کے اصولوں کے بھی خلاف ہے۔

(١) یہ کس طرح ممکن تھا کہ ولید نماز میں ایسی حرکت کرتے اور لوگ خاموش رہتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہاں موجود تھے [٤] اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین بھی ہوں گے تو کیا ولید نے صبح کی نماز دو کے بجائے چار پڑھا دی اور سب نے خاموشی سے پڑھ لی جب کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں مقیم کی نماز پڑھی تو صحابہ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا [٥]۔

(٢) صحاح کی کسی کتاب میں چار رکعت نماز پڑھانے کا قصہ ہی مذکور نہیں۔

(٣) اگر انہوں نے دو رکعت پڑھیں اور پھر کہا کہ اور پڑھاؤں تو صحابہ کرام کیوں خاموش رہے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے آکر شکایت کیوں نہیں کی ان میں سے کسی کی شہادت موجود کیوں نہیں۔

(٤) واقعہ ایسا ہے کہ کثیر لوگوں کو معلوم ہونا چاہئیے مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوں گی ان میں سے کوئی آکر حضرت عثمانؓ سے کہتا۔ یا صرف حضین ہی رہ گئے تھے جو واقعہ کے وقت کوفہ میں موجود بھی نہیں تھے اور انہوں نے جس سے سنا اُس کا نام کیوں نہیں لیا۔

(٥) الاستیعاب کی روایت ابن شوذب سے مروی ہے جو نہ صحابی ہیں نہ تابعی بلکہ تبع تابعین میں سے ہیں، ان کی وفات ١٥٦ - ١٥٧ھ میں ہوئی یہ خراسانی ہیں انہوں نے بصرہ میں اور اس کے بعد شام میں سکونت اختیار کی اور یہ واقعہ کوفہ کا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس قدر اہم واقعہ نہ تو کوئی صحابی بیان کر رہا ہے اور نہ کوئی تابعی اور نہ ہی کوئی موقع پر موجود تبع تابعی اگر بیان کرتا ہے تو ایک ایسا تبع تابعی جو نہ موقع پر موجود ہے اور نہ ہی اس وقت تک پیدا ہوا تھا چونکہ حضرت ولید بن عقبہ پر حد جاری ہونے کا واقعہ ٣٠ھ کا ہے اور ابن شوذب کی پیدائش ٨٦ھ میں ہوئی یعنی اس واقعہ سے پورے چھپن سال بعد [٦] امویوں پر بہتان طرازی

---

[١] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ٦، ص ٥٢٨/٥٢٩، ابن حجر۔ تقریب التہذیب ص ١١٧ [٢] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ٦، ص ٥٢٨ - ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ٥۔ ص ٣٩٥ [٣] ابن حجر۔ تہذیب التہذیب جلد ٥۔ ص ٢٩٥۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن [٤] تاریخ ابوالفداء جلد اول ص ١٦٧ پر ہے کہ جب ولید نے کہا کہ نماز اور زیادہ پڑھاؤں تو ابن مسعود نے کہا کہ "جب سے تم آئے ہو اس وقت سے اب تک ہم نماز زیادہ ہی پڑھتے آئے ہیں۔"

[٥] تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں مقیم کی نماز پڑھی ص ٣٣٦ تا ٣٣٨ [٦] ابن حجر عسقلانی۔ تقریب التہذیب ص ٢٧١۔ مطبوعہ نولکشور لکھنو۔

ایک طبقہ کا شعار ہو گیا تھا لہٰذا ابن عبدالبر کا بیان کسی درجے میں لائق اعتبار نہیں۔

جب حدیث سب سے اعلیٰ سند کے ساتھ موجود ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضین نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ میں اس نماز میں شریک تھا تو اس بیان کی کیا وقعت ہے۔ جب کہ خود ایسی سندیں بھی موجود ہیں جن میں حضین کا یہ قول نقل نہیں کیا گیا۔

کتب احادیث میں جو احادیث اس واقعے سے متعلق بیان کی گئی ہیں ان میں حضرت عثمانؓ اور حضرت امام حسنؓ کا بیان قابلِ غور ہے۔ یہ دونوں حضرات اس گواہی کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے نزدیک ان گواہوں کی کوئی وقعت نہیں تھی اس لئے انہوں نے حد جاری کرنے سے انکار کیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت ولید کو اس بات پر صبر کی تلقین کی۔ جس بات کی شہادت حمران جیسا گواہ دے اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کے باوجود ان پر حد جاری کی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عبیداللہ بن عدی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ "آپ ولید پر حد جاری کیوں نہیں کرتے"۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی پوری بات سن کر کہا کہ "یہ میں کس قسم کی باتیں سن رہا ہوں کیا میرا ان لوگوں پر وہ حق نہیں تھا جو اُن حضرات کا تھا (صدیق و حضرت فاروق کا) رہی ولید کی بات تو ہم انشاءاللہ ان پر حد جاری کریں گے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو حد لگانے کا حکم دیا اور ان کے چالیس دُرے لگائے گئے۔ اس روایت میں کہیں نماز کا ذکر نہیں ہے حضرت عثمان کا حد جاری کرنے میں دیر لگانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت حسن کی طرح آپ اسے بنایا ہوا قضیہ سمجھتے تھے اور آپ کو ان گواہوں کی گواہی پر اطمینان نہیں تھا اس لئے مصلحت کے تحت اور لوگوں کی بدگمانی سے بچنے کے لئے آپ نے یہ سزا دی اور امیر ولید سے فرمایا کہ جھوٹی گواہی کی وجہ سے ان گواہوں نے جہنم میں ٹھکانا بنا لیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حد جاری کرنے میں دیر لگائی تو حضرت علیؓ نے کہا کہ "میری موجودگی میں حدود کو باطل نہیں کیا جا سکتا اور حد قائم کر دی"۔ یہ بات بالکل غلط ہے روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خود حد قائم کی اور حضرت علیؓ کو حد لگانے کا حکم دیا حضرت علیؓ نے چالیس کوڑے لگوائے[1]

یہ الزام اس شخص پر لگایا گیا جو اپنی رعیت کے ساتھ نہایت نرمی اور شفقت کا سلوک کرتا۔ لوگوں کی فریاد رسی کرتا اور ان سے عدل و انصاف سے پیش آتا مظلوموں اور داد خواہوں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا[2] ابن کثیر کا قول ہے کہ "آپ کی شجاعت و سخاوت اور خلق و مروت مشہور ہے[3]

ابن حجر و ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ولید شجاع، بہادر اور سخی تھے اور قریش کے اکابر میں سے تھے[4] ابن عبدالبر کا قول ہے کہ:

> ولید، سعید بن العاصؓ سے زیادہ سخی اور زیادہ نرم خو تھے۔ آپ کے عہد میں مالی فراغت اور پسماندہ طبقات کی امداد و اعانت کا یہ حال تھا کہ کوفہ کے ہر غلام کو بیت المال سے تین درہم ماہوار ملتے تھے۔ یہ وظیفہ اس رزق و مال کے علاوہ تھا جو ان کو اپنے آقاؤں سے ملتا تھا[5]

حضرت ولید بن عقبہ نے اسلام پھیلانے کے لئے دور دور جہاد کیا امام شعبی کے سامنے امیر مسلمہ بن امیر المومنین عبدالملک کے مجاہدانہ

---

[1] امام بخاری۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۲۲۔ باب ہجرۃ الحبشہ [2] امام تیمیہ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۲۰۳ [3] طبری۔ تاریخ طبری۔ جلد اول جزء خامس ص ۲۸۰۹ [4] ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۵۱ [5] ابن حجر۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲۔ ص ۶۳۸۔ ولید بن عقبہ۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب جلد ۲ ص [6] ابن عبدالبر۔ الاستیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۴۔

کارناموں کا ذکر ہو رہا تھا تو امام شعبی نے فرمایا کہ " کاش تم ولید کا زمانہ پاتے اور ان کی بہادری کی کیفیت اور ان کی امارت کا حال دیکھتے وہ جہاد کے لئے نکلتے اور دور دور حملہ کرتے تھے کسی کو ان پر اعتراض نہ تھا یہاں تک کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دئیے گئے اور اس وقت ان کے ایک سپہ سالار عبد الرحمٰن بن باھل دوبند کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جو بحر خزر کے کنارے روس کے علاقے کا مضبوط مورچہ تھا (گویا ان فاسقوں کی ریشہ دوانیوں کے سبب ولید کی معزولی سے اس وقت امت کو ایک نقصان عظیم پہنچا)[1]

ابن عربی ولید بن عقبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

حضرت ولید کے کارنامے اس قابل ہیں کہ ان کا شمار قوم کے محسنوں میں ہونا چاہیئے ۔ لیکن تعجب ہے اس امت پر کہ یہ اپنے خاص اور نمایاں ترین اکابر کی برائی کرتی ہے اور اپنے حسن و جمال کو قبیح اور بد شکل بناتی ہے اور اپنی بزرگی کو مٹاتی ہے ۔[2]

حضرت ولید بن عقبہ پانچ سال تک کوفہ کے والی رہے ۔ ان پانچ سالوں میں انہوں نے اپنے عدل ، اپنے علم و رفق اور اپنے رحم و کرم اور اپنے تدبر و سیاست سے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا ۔ لیکن کوفہ کے شر پسند لوگ حسب عادت یہ پسند نہیں کر سکے کہ کتنے دن تک کوئی وہاں والی رہے ۔ در اصل اہل کوفہ کی فطرت بڑی عجیب و غریب تھی ۔ کوفہ کی آب و ہوا اور اس کے خمیر میں سیاسی جوڑ توڑ اور سازش کے جراثیم شامل تھے ۔ چنانچہ اشرار کوفہ نے حضرت ولید بن عقبہ کو ہدف ملامت بنایا اور ان پر شراب نوشی کا اتہام رکھا ۔ اہل کوفہ کی یہ عادت تھی کہ وہ والیوں کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ جب بھی کسی کو ذرا زیادہ دن ہوئے اور ان کی شکایتیں شروع ہوئیں ۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص ، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے کبار صحابہ کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا[3] حضرت سعد عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ہرات اور عراق کے فاتح ہیں نہایت جلیل القدر اور کثیر المناقب ہیں ۔

---

[1] طبری ۔ تاریخ طبری جلد اول جزء خامس ص ۶۰ ابن العربی ۔ العواصم من القواصم ص ۱۰۰ [2] ابن العربی ۔ العواصم من القواصم ص ۹۹ کا حاشیہ ۔
[3] امام تیمیہ ۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۲۳۹ ۔

محمد تقی عثمانی

اُحد سے تاشقند تک

(۳)

نمازِ جمعہ ہم نے اسی مسجد میں ادا کی جو مسجد ابی عبیدۃ بن الجراح رضؓ کے نام سے مشہور ہے، اور جس کے ایک حصے میں امینِ امت حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ آرام فرما ہیں۔

یہ مسجد کافی کشادہ ہے، اور خطبۂ جمعہ میں نمازیوں کی اتنی بڑی تعداد تھی کہ مسجد بھر گئی، امام صاحب خطبے میں جہاد کے فضائل اور عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی پستی کے اسباب بڑے مؤثر انداز میں بیان فرما رہے تھے، لیکن نماز کا جو وقت مقرر تھا، اسی پر خطبہ ختم کر کے نماز شروع کر دی۔

نماز کے بعد مسجد کے اندرونی حصے میں دائیں جانب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت ملی۔ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جاں نثار صحابی رضؓ کے مزار پر حاضری کے وقت دل کی جو کیفیت تھی وہ ناقابلِ بیان ہے۔ عہدِ رسالتؐ اور اس کے بعد کے کتنے واقعات ذہن کے دریچوں کو روشن کر رہے تھے۔ ایک انمول تاریخ تھی جس کے اوراق چند لمحوں میں نگاہوں کے سامنے الٹتے چلے گئے، اور دل میں عقیدت و محبت کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔

حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ:

حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن جلیل القدر صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جن کی ذاتِ گرامی اُس دَور کے تمام اعلیٰ فضائل و مناقب کا مجموعہ تھی۔ آپ سابقینِ اوّلین میں سے ہیں اور اُس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ آپ اُن

دس خوش نصیب صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے اور جن کو خود سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ کا شمار اُن صحابۂ کرامؓ میں بھی ہے جنہیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی، پہلی بار آپؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؓ کے غزوات میں ہمیشہ نہ صرف شامل رہے، بلکہ ہر موقع پر اپنی جانبازی، عشقِ رسولؐ اور اطاعت و اتباع کے اَنمٹ نقش قائم فرمائے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے والد کفارِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آئے تھے، اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے (حضرت ابو عبیدہؓ) کو نہ صرف تلاش کرتے تھے، بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اُن سے آمنا سامنا ہو جائے، حضرت ابو عبیدہؓ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے، لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے، اس لئے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے، لیکن باپ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا، اور بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا، اور جب مقابلہ سر پر آہی گیا تو اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم تھا، اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی، اور ایمان کفر پر غالب آگیا، باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔[1]

غزوۂ اُحد کے موقع پر جب کفار کے ناگہانی حملے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مِغفر کے دو حلقے آپؐ کے رخسارِ مبارک میں اندر گھس گئے تو حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا، یہاں تک کہ اس کشمکش میں حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوشنمائی میں فرق آجانا چاہیئے تھا، لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہؓ کے حُسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابو عبیدہؓ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔[2]

جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے، اور انہوں نے اپنے درمیان کوئی معلّم بھیجنے کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "ھذا أمین ھذہ الأمۃ" (یہ اس امت کے امین ہیں) ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو صحیحین میں مروی ہے کہ:

لکلّ أمّۃ أمین، وأمین ھذہ الأمۃ أبو عبیدۃ ابن الجراح

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابو عبیدہؓ ابن جراح ہیں"۔

---

[1] الإصابہ للحافظ ابن حجرؒ ص ۲۵۳ ج ۲ ، [2] مستدرک الحاکم ص ۲۶۶ ج ۳ و طبقات ابن سعد، ص ۲۹۸ ج ۳ ،

[3] الإصابہ ص ۲۴۳ ج ۲، بحوالۂ مسند احمد۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟" حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "ابوبکرؓ"، پوچھا گیا کہ "ان کے بعد کون؟" فرمایا: "عمرؓ"، پھر پوچھا گیا کہ "ان کے بعد کون؟" اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "ابوعبیدہ ابن جراحؓ"۔ [1]

حضرت حسن بصریؒ مرسلاً روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

ما منکم من أحد إلا لو شئت لأخذت علیه بعض خلقه، إلا أبا عبیدة،

تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس کے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو میں قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں، سوائے ابوعبیدہؓ کے۔ [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابہ کرامؓ کا اجتماع ہوا، اور خلافت کی بات چلی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کیلئے دو نام پیش فرمائے، ایک حضرت عمرؓ کا اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کا، لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہ تھا، مسلمان آپ ہی پر متفق ہوئے، لیکن اس موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ کا نام صدیق اکبرؓ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ ہی کے سپرد فرمائی تھیں، چنانچہ اردن اور شام کا بیشتر علاقہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر فتح ہوا۔ بیچ میں جب غزوۂ یرموک کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو عراق سے شام بھیجا تو اس وقت حضرت خالدؓ کو شام کی مہمات کا امیر بنا دیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت کے آغاز ہی میں حضرت خالدؓ کو امارت سے معزول کرکے آپ کو امیر بنا دیا، اور پھر سارا شام آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا، اور حضرت خالدؓ آپ کی ماتحتی میں شریکِ جہاد رہے، اور آپ نے حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے گورنر کے فرائض انجام دیئے۔

شام کا خطہ اپنی زرخیزی، آب وہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرانشینوں کیلئے ایک جنتِ ارضی سے کم نہ تھا، دوسری طرف یہاں اس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا، لیکن ان صحابۂ کرامؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے جو اَنمٹ رنگ اپنے قلب ودماغ پر چڑھالیا تھا، اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں اُن کے زہد وقناعت، دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ اس بات کا اندازہ

---

[1] جامع الترمذی، ابواب المناقب، حدیث نمبر ۳۶۵۷ وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، حدیث نمبر ۱۰۲

[2] مستدرک الحاکم ص ۲۶۶ ج ۳ والاصابہ للحافظ ص ۲۴۴ ج ۲، [3] البدایہ والنہایہ ص ۹۴ ج ۷۔

حضرت ابوعبیدہ ابن جرّاح رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے سے ہوگا:۔

جب حضرت ابوعبیدہؓ شام کے گورنر تھے، تو اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے، ایک دن حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ "مجھے اپنے گھر لے چلئے"[1]

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا: "آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔"

لیکن جب حضرت عمرؓ نے اصرار فرمایا تو حضرت عمرؓ کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمرؓ نے حیران ہو کر پوچھا:

"آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے، آپ امیرِ شام ہیں، آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟"

یہ سُنکر حضرت ابوعبیدہؓ ایک طاق کی طرف بڑھے، اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اُٹھا لائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو رو پڑے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا:

"امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کیلئے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اُسے اپنی خوابگاہ (قبر) تک پہنچادے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ابوعبیدہؓ! دُنیا نے ہم سب کو بدل دیا، مگر تمہیں نہیں بدل سکی۔"[2]

اللہ اکبر! وہ ابوعبیدہؓ جس کے نام سے قیصرِ روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی، جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے، اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے، وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہا تھا ـــــ دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اُسے اتنا ذلیل و رُسوا کسی نے کیا ہے تو وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جاں نثار تھے ؎

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

حضرت ابوعبیدہؓ اُن خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو نبیٔ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے جنت میں جانے کی بشارت سُن چکے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی خبر پر ادنیٰ تردّد کا بھی ان کے یہاں کوئی سوال نہ تھا۔ اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ:۔

وددت انی کنت کبشا، فیذبحنی أھلی، فیأکلون لحمی،

ویحسون مرقی، [3]

---

[1] حضرت عمرؓ کو یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہیں ان کے گورنر بیرونی تہذیبوں سے متاثر ہو کر زیادہ عیش و عشرت میں نہ پڑگئے ہوں، اس لئے شاید حضرت ابوعبیدہؓ کا گھر دیکھنے کے پیچھے یہی فکر کار فرما ہو۔ [2] سیر أعلام النبلاء للذھبیؒ ص ۷، ج ۱ بحوالہ سنن ابی داؤد بروایۃ ابن الأعرابی، اس واقعے کا اختصار امام ابونعیمؒ کی حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۱ و ۱۰۲ ج ۱، مصنف عبدالرزاق (حدیث نمبر ۲۰۶۲۸) اور امام احمدؒ کی کتاب الزھد ص ۱۸۴ میں بھی مروی ہے۔

[3] سیر اعلام النبلاء ص ۱۸ ج ۱ و طبقات ابن سعد ص ۳۰۰ ج ۳ ۔

"کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا، میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قدردان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا کہ "اگر ابو عبیدہؓ کی زندگی میں میرا وقت آگیا تو مجھے کسی سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں، میں ان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے نامزد کر جاؤں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے اس نامزدگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں عرض کر سکوں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ ہر اُمّت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابو عبیدہؓ ابن الجراح ہیں"۔[1]

جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:۔

سلام علیك، أما بعد، فإنه قد عرضت لی إلیك حاجة أرید أن أشافهك بها فعزمت علیك إذا نظرت فی كتابی هذا أن لا تضعه من یدك حتی تقبل الی،

" سلام کے بعد، مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ میرا یہ خط دیکھیں تو اُسے اپنے ہاتھ سے رکھتے ہی فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں"۔

حضرت ابو عبیدہؓ اطاعتِ امیر کے ساری زندگی پابند رہے، لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ کی یہ شدید ضرورت (جس کے لئے مجھے مدینہ منورہ بُلایا ہے) صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں، چنانچہ یہ خط پڑھکر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

عرفت حاجة أمیر المؤمنین، إنه یرید أن یستبقی من لیس بباق،

میں امیر المؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔

یہ کہکر حضرت عمرؓ کو یہ جواب لکھا:۔

یا أمیر المؤمنین إنی قد عرفت حاجتك إلیّ، و إنی فی جند من المسلمین لا أجد بنفسی رغبة عنهم، فلست أرید فراقهم حتی یقضی الله فیّ وفیهم أمره وقضاءه فخلّنی من عزیمتك یا أمیر المؤمنین ودعنی فی جندی،

امیر المؤمنین، آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بُلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے،

---

[1] مسند احمد ص ۱۸ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۶۸ ج ۳؛

لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کیلئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا، لہٰذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جبتک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرمادیتا۔ لہٰذا امیر المؤمنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرمادیجئے اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے۔"

حضرت عمرؓ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جو لوگ پاس بیٹھے تھے، وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے، حضرت عمرؓ کو آبدیدہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا: "کیا ابو عبیدہؓ کی وفات ہوگئی؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہوئی تو نہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط لکھا:

سلام علیك، أما بعد، فإنك أنزلت الناس أرضا عميقة، فارفعهم إلى أرض مرتفعة نزهة،

"سلام کے بعد، آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے، اب انہیں کسی بلند جگہ پر لیجائیے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط حضرت ابو عبیدہؓ کو پہنچا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لیجا کر لشکر کو ٹھہرایا جاسکے، میں جگہ کی تلاش میں نکلنے کیلئے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہوچکی ہیں، میں نے واپس آکر حضرت ابو عبیدہؓ کو بتایا۔ اس پر انہوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا، اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا، ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہوگیا، اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مسجد کی دائیں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں واقع ہے، اس کمرے میں کچھ پرانے کتبات بھی رکھے ہیں جو اس جگہ سے برآمد ہوئے تھے، لیکن انکی عبارتیں صاف پڑھی نہیں جاتیں۔

مسجد سے باہر نکلیں تو دائیں طرف ایک بڑا وسیع وعریض قبرستان ہے جس میں قدیم اور بوسیدہ قبروں کے نشانات دور تک نظر آتے ہیں، یہاں کے مقامی لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس میں بہت سے صحابۂ کرامؓ اور طاعونِ عمواس کے بہت سے شہداء مدفون ہیں۔ یہاں اجتماعی اور اجمالی طور پر تمام اہلِ قبور کو سلام عرض کرنے اور ان پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت ضرار بن ازورؓ:

---

[1] اس پورے واقعے کیلئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ص ۸۰، ج ۷، وسیر اعلام النبلاء ص ۱۸ و ۱۹ ج ا، ومستدرک حاکم ص ۲۶۲ ج ۳،

حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ کی مسجد سے نکل کر ہم نے شمال کو جانے والی سڑک پر دوبارہ سفر شروع کیا تو ذرا چلنے کے بعد دائیں ہاتھ پر حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار تھا۔ یہ بھی اُن مجاھد صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جن کی شجاعت و بسالت کی داستانوں سے شام کی فتوحات کی تاریخ بھری پڑی ہے، واقدی کی فتوح الشام کے تو حضرت ضرار ہیرو ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے خاص ساتھی جن کے بارے میں مشہور ہے کہ جنگ کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ سینے پر زرہ نہیں پہنتے تھے، بلکہ قمیص بھی اُتار دیتے تھے، اور ننگے بدن لڑا کرتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات مشکوک ہے کہ اُن کی وفات کہاں اور کس زمانے میں واقع ہوئی؟ حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں مؤرخین کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ اجنادین میں ان کی شہادت ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگِ یرموک میں شامل تھے، اور اس کے بعد دمشق میں ان کا انتقال ہوا[1]۔ واللہ سبحانہ اعلم،

حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کا مزار:

یہاں سے شمال کی طرف شاید دو تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ بائیں ہاتھ پر ایک عمارت نظر آئی، یہ عمارت سرسبز کھیتوں اور باغات کے درمیان واقع ہے، اور اس میں فاتحِ اردن حضرت شرحبیل ابن حسنہؓ کا مزار ہے۔

حضرت شُرَحْبِیلؓ[2] ابن حسنہؓ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہیں جن کا نام حسنہ تھا، یہ بھی اول دور کے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت فرمائی، اور بعد میں مدینہ منورہ کی طرف بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح کیلئے چار مختلف سمتوں سے چار لشکر روانہ فرمائے تھے، ان میں سے ایک لشکر کے سربراہ حضرت شرحبیل بن حسنہؓ تھے، اور اردن کا بہت بڑا علاقہ آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، آپ کو ایک زمانے میں فلسطین کا گورنر بھی بنا دیا گیا تھا۔ شام کی فتوحات میں آپ کی شجاعت و جانبازی اور حسنِ تدبیر کے واقعات تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، عمواس کا وہ زبردست طاعون جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے، اسی میں حضرت شرحبیل بن حسنہؓ بھی شہید ہوئے، اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی وفات بھی ٹھیک اسی دن واقع ہوئی جس دن حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا[3]۔

(باقی آئندہ)

---

[1] ملاحظہ ہو الاصابہ ص ۲۰۰ ج ۲، [2] شین پر پیش، را، پر زبر، حا ساکن اور با، مکسور ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں تک کو ان کا نام "شرجیل" (جیم سے) لیتے ہوئے سنا، جو بالکل غلط ہے۔

[3] البدایۃ والنہایہ ص ۹۳ و ۹۴ ج ۷، والاصابہ ص ۱۴۱ ج ۲۔

نسبت سلب نہیں ہوتی

سوال :۔ کیا نسبت سلب کرنے سے سلب ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
جواب : اصل نسبت جو عبارت ہے حضور مع اللہ سے ، وہ کسی کے سلب کر لینے سے سلب کس طرح ہو سکتی ہے ہاں صدور معصیت سے سلب ہو جاوے تو یہ دوسری بات ہے البتہ کیفیت شوقیہ جو ایک نوع کی حق تعالےٰ کے ساتھ ہے وہ سلب ہو جاتی ہے جو لوگ اس سلب کی مشق کرتے ہیں وہ اس کو سلب کر سکتے ہیں جس طرح نشاط کے وقت اگر طبیعت کو حزن پیدا ہو جاوے تو وہ کیفیت نشاط کی جاتی رہتی ہے اسی طرح تصرف سلب سے وہ کیفیت شوقیہ جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی افسردگی وعبادت ہو جاتی ہے مگر پھر ذکر کی برکت سے عود کر آتی ہے ۔ (تربیت السالک جلد اول)

مولوی احسان اللہ دارالعلوم کراچی

مسلمانوں میں باہمی خونریزی کی ممانعت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

آیت قرآنی ۔ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزآؤہ جھنم خلدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (۹۳) سورۃ النساء

ترجمہ :۔ اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اسی میں اور اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے ۔

تشریح : اکٹھی اتنی سخت وعیدیں بجز کفر و شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئیں اور اسی لئے قتل مؤمن اشاعرہ اور معتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر میں سے ہے اور یہ رونے اور لرز جانے کی چیز ہے ، من یقتل مؤمنا متعمدا میں قتل عمد کی جو معروف اور براہ راست صورتیں، وہ تو ہیں ہی، لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتل مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین و نظام کے تحت کی جاتی ہیں ۔ (تفسیر ماجدی)

احادیث مبارکہ (۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ الجاھلیۃ ومن قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبۃ او یدعو الی عصبیۃ او ینصر عصبۃ فقتل فقتلہ جاھلیۃ ومن خرج علی امتی یضرب برھا وفاجرھا ولا یتحاشی من مؤمنھا ولا یفی لذی عھد عھدہ فلیس منی ولست منہ ۔ (مسلم شریف ص ۱۲۸ ج ۲)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی، اور جو شخص اندھے جھنڈے

کے نیچے لڑے کہ غصہ ہو عصبیت کیو جہ سے، یا بلاتا ہو قوم کی طرف یا مدد کرتا ہو قوم کی (خدا کی رضا مقصود نہ ہو) پھر وہ مارا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی ہوگی اور جو میری امت پر دست درازی کرے کہ اچھے بروں کو قتل کرے مؤمن کو بھی نہ چھوڑے اور جس سے عہد ہے اس کا عہد بھی پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور میں اس سے تعلق نہیں رکھتا۔

فائدہ:۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے اندر یہ صفات مذکورہ ہوں اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، افسوس آج ہم جو اپنے کو مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کی بستی میں بسنے والے اور مسلمانوں کی مساجد میں نماز پڑھنے والے ہیں، ہماری کیا حالت ہے؟

جب کہیں فسادات شروع ہو جاتے ہیں تو کیا ہماری حالت بالکل ایسی نہیں ہو جاتی کہ قومیت کی بنیاد پر لڑتے ہیں قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کو لڑنے کی دعوت دیتے ہیں اور قومیت کے نعرے لگاتے ہیں، نیک و بد کا فرق نہیں کرتے ہیں بے گناہ افراد کو نقصان پہنچاتے ہیں، کیا مذکورہ بالا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق پھر ہمارا کچھ تعلق اسلام سے باقی رہتا ہے؟ کیا جاہلیت والی عادات و کردار ہم نے نہیں اپنائے۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۹۰)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے مال، خون اور عزت تمام مسلمانوں پر حرام ہیں۔

فائدہ:۔ مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کا مال لوٹنا اور اس کی بے عزتی کرسب حرام ہے۔

(۳) عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا التقی المسلمان بسیفیھا فالقاتل والمقتول فی النار، قالوا: یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: إنہ أراد قتل صاحبہ (سنن ابن ماجہ ص ۲۹۴ و بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان تلوار لے کر آمنے سامنے آجاتے ہیں تو دونوں دوزخی ہیں، پوچھا گیا کہ یہ تو قاتل تھا، مقتول نے کیا کیا تھا؟ (کہ اسے جہنم میں ڈالا جائیگا) فرمایا کہ وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے اگر اس کا بس چلتا قتل کر دیتا۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ (ترمذی شریف ص ۳۹ ج ۱۴)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

فائدہ:۔ اس حدیث میں مسلمانوں کے آپس کی قتال کو کفر فرمایا گیا مسلمان ہو کر آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے والے اپنا انجام خوب سمجھ لیں۔

(۵) حدثنا عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما أطیبک وأطیب ریحک ما أعظمک وأعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ

والے کسی مؤمن کو قتل کرنے میں جمع ہوجائیں (یعنی شریک ہو) تو اللہ پاک سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیں گے۔

فائدہ:۔ وہ لوگ خوب سوچ لیں جو مسلمانوں کی جان کو مچھر اور مکھیوں کی طرح کچلتے رہتے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کرتے، چاہے وہ بسوں کے ڈرائیور ہوں، یا لوٹ مار کرنے والے ہوں یا آپس میں قتل و قتال کرنے والے ہوں ان کا کیا حشر ہوگا؟ اپنے کو جہنم کے کس گڑھے میں داخل کرنے کے خواہاں ہیں۔

(۱۰) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله جزّ النار سبعين جزءاً تسعة وستون للآمر وجزء للقاتل وحسبه (رواه الطبراني. مجمع الزوائد ص۲۹۱ ج۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو ستر حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ۶۹ حصے کسی مؤمن کو قتل کرانے والے کیلئے ہیں اور ایک حصہ قتل کرنے والے کے لئے ہے۔

فائدہ۔ وہ لوگ اپنی حالت کا خوب جائزہ لیں، جو مسلمانوں کے آپس میں فتنے فساد کرانے کے درپے رہتے ہیں اور اور اس کا محرک بنتے ہیں جس کے نتیجے میں سینکڑوں مسلمانوں کے جسم و جان تلف ہوتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟

(۱۱) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أشد قتل بين صفين أحدهما يطلب الملك - رواه الطبراني في الأوسط وفيه عبد الأول أبو نعيم ولم أعرفه وبقية رجاله ثقات - مجمع الزوائد ص۲۹۲ ج۷ -

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قتال کی دو صفوں میں قتل ہونے والوں میں بُرا مقتول وہ ہے جو ملک حاصل کرنیکی خاطر لڑ رہا ہو۔

فائدہ۔ جو حضرات محض اقتدار کی خاطر فتنے فساد کرتے کراتے ہیں لڑتے جھگڑتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کریں کہ وہ اس وعید کے اندر داخل ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو یہ وقت ہے تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرلیکا۔

(۱۲) عن عمران بن حصين رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع السلاح في الفتنة رواه البزار وفيه بحر بن كنيز السقاء وهو متروك، مجمع الزوائد ص۲۹۰ ج۷

ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فتنے کے زمانے میں ہتھیاروں کی بیع و فروخت سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ۔ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہ ہے کہ فتنے کے زمانہ میں ہتھیاروں کی بیع بھی نہ کی جائے اور آج ہماری حالت یہ ہے کہ فتنے کے زمانہ میں فتنہ کرنے والوں کی ہر قسم کے اسلحہ کے ساتھ مدد کرتے ہیں جو کہ تعلیمات نبوی علیہ السلام کی صریح مخالفت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

(۱۳) عن يزيد بن صهيب الفقير قال: بلغني أنه ما تقلد رجل سيفاً في الفتنة إلا لم يزل مسخوطاً عليه حتى يضعه - مصنف ابن ابي شيبة ص۲۵ ج۱۵۲۰

ترجمہ۔ حضرت یزید بن صہیب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ فتنے کے زمانہ میں جو شخص تلوار

لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه وان نظن به إلا خيرا ۔ (سنن ابن ماجہ ص٢٩٠)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے، تیری کیا عمدہ خوشبو ہے تو کیا اچھا ہے تیری کیسی تعظیم ہے اور تیری کیسی حرمت ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، اللہ کے نزدیک مؤمن کی آبرو اور جان اور مال سب تجھ سے زیادہ حرمت اور عزت والے ہیں اس لئے ہم کو مؤمن کے ساتھ اچھا ہی خیال کرنا چاہیئے ۔

فائدہ:۔ اسی طرح سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری خطبہ میں لاکھوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کیلئے وصیت فرما گئے کہ تمہارا خون آپس میں ایسا ہی حرام ہے جیسے کہ بیت اللہ کی حرمت یعنی جیسے کہ بیت اللہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا حرام ہے اسی طرح مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا حرام، افسوس آج ہماری حالت کیا سے کیا ہو گئی ہے مسلمان کی وہ جان جسے بیت اللہ سے معظم فرمایا گیا تھا۔ اس کی ہمارے نزدیک خاک کی برابر حیثیت نہ رہی، ہم اپنے کو مسلمان کہلانے والے اللہ اور رسول کو ماننے والے اللہ اور رسول کے احکام سے کتنے دور ہو گئے ۔

(٦) قال عبد الله قال النبي صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر ۔ بخاری حدیث ١٩٥٥

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے ۔

(٧) عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا (بخاری شریف ص١٠٥ ج٢)

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہم (یعنی مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ۔

(٨) عن همام سمعت أبا هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ۔ لا يشير أحدكم على أخيه بالسلاح فإنه لا يدري لعل الشيطان ينزع في يده فيقع في حفرة من النار ۔ (بخاری شریف حدیث ١٩٦١)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی اپنے کسی (دینی) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا ممکن ہے کہ شیطان اسے اس کے ہاتھ سے چھڑوا دے اور پھر وہ اس کی وجہ سے جہنم کے گڑھے میں گر پڑے ۔

فائدہ۔ افسوس ہے ہماری حالت پر ایک طرف تو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قتل مسلم کے اتفاقی اسباب سے احتیاط کر نیکا حکم فرما رہے ہیں دوسری طرف ہم جان بوجھ کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں کیا یہ احکام خداوندی کی کھلی بغاوت نہیں ہے! کیا ہم مسلمان کہلانے کے قابل ہیں؟

(٩) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ۔ قال: لو اجتمع أهل السماء والأرض على قتل مؤمن لكبهم الله في النار، رواه الطبراني في الأوسط وفيه أبو حمزة الأعور وهو متروك وبقية رجاله رجال الصحيح ۔ مجمع الزوائد ص٢٩٤ ج٤

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ تمام آسمان والے اور زمین

ٹکاتا ہے اس پر غضب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک اس کو رکھدے ۔

جب مسلمانوں کے آپس میں قتل و قتال تو اُس وقت کیا کریں !

(۱۴) عن ابی موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی الفتنۃ کسروا فیہا قسیکم وقطعوا فیہا أوتارکم والزموا فیہا أجواف بیوتکم وکونوا کابن آدم ۔ ترمذی ص ۲۳۱ ج ۱

ترجمہ ۔ روایت ہے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنے کے زمانے میں توڑ ڈالو اپنی کمانیں اور کاٹ ڈالو ان کی زہیں اور لازم پکڑ لو گوشۂ مکان کو اور حضرت آدم کے بیٹے (ھابیل) کی طرح ہو جاؤ جنہوں نے اپنی جان دیکر بھی بھائی کو قتل کرنے سے انکار کیا ۔ مطلب یہ ہے کہ فتنے کے زمانہ میں خلوت بہتر ہے ۔

(۱۵) عن سعید بن مسیب یقول ، ألا أخبرکم أو أحدثکم بخیر من کثیر من الصلوٰۃ والصدقۃ قالوا : بلیٰ ؛ قال : إصلاح ذات البین وإیاکم والبغضۃ فانما ھی الحالقۃ ۔ موطأ امام محمد ص ۳۷۰

ترجمہ :- حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔ کیا میں تمہارے سامنے بیان نہ کروں ، نفلی نماز اور صدقہ کی کثرت سے بہتر چیز ؟ عرض کیا گیا ضرور بتلایئے فرمایا آپس میں مصالحت کرانا (چاہے لڑنے والے دو آدمی ہوں یا دو گروپ ہوں یا کوئی بھی مسلمان ہو) اور بچو تم بغض و عداوت سے کیونکہ وہ مونڈ دینے والی چیز ہے (یعنی دین کو ختم کر دینے والی ہے)

فائدہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں کی آپس میں لڑائی ہو رہی ہو تو اگر صلح کرانے پر قدرت ہو تو صلح کرایئے ورنہ بچنے کا راستہ یہی ہے کہ کنارہ کشی اختیار کر کے بیٹھ جایئے نہ یہ کہ خود بھی ان کے ساتھ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائے اور اپنے کو جہنم کا مستحق بنایئے ۔

(۱۶) قال رجل لحذیفۃ : کیف اصنع اذا اقتتل المصلون ؟ قال ۔ تدخل بیتک ، قال قلت : کیف أصنع إن دخل بیتی ؟ قال قل انی لن اقتلک انی اخاف اللہ رب العلمین ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵ ج ۱۵)

ترجمہ :- ایک شخص نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے خدمت میں عرض کیا جب نماز پڑھنے والے آپس میں لڑنے لگے تو اس وقت میں کیا کروں ؟ فرمایا کہ اپنی گھر میں داخل ہو جاؤ ۔ عرض کیا کہ اگر میرے گھر میں داخل ہو جائے تو کیا کروں ؟ فرمایا کہ تم اُس سے کہدو کہ اگر تمہیں قتل کروں تو مجھے اپنے رب سے ڈر لگتا ہے ۔

فتنے فساد کا اصلی سبب گناہ ہے

جب فتنے مصائب تکالیف بیماریاں اور آپس قتل و قتال ہوتے ہیں سب کا اصل سبب انسان کے گناہ ہی ہیں اللہ پاک کا فرمان ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر ۔ یعنی جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہے ، لہذا جو گناہ بھی ہو گئے ان سے خوب توبہ کریں اور آئندہ بچنے کی مکمل کوشش کریں کیونکہ گناہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے ۔ بچنے کی ہمت بھی کریں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کرتے رہیں ۔

آخر میں دعا ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کی عذاب سے بچائیں اور سمجھ عطاء فرمائیں اور آپس کی قتل و قتال سے محفوظ رکھیں اللہ تعالیٰ ان احکام پر عمل کرنے کی خوب توفیق عطاء فرمائیں ۔ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائیں ۔

قارئین کرام سے گزارش ۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ان احادیث کو خوب پھیلائیں اور ان کی خوب اشاعت کریں ۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم ۔

مولانا ابوعمار زاہد الراشدی
ڈپٹی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء اسلام پاکستان

ایران میں اہل سنت مسلمان

دورہ ایران کے تاثرات

مجھے پاکستانی علماء اور دانش وروں کے ایک پندرہ رکنی وفد کے ہمراہ یکم جنوری ۸۷ء سے بارہ جنوری ۸۷ء تک ایران کے مختلف علاقوں کے دورہ کا موقع ملا وفد میں میرے علاوہ (۱) مولانا منظور احمد چنیوٹی ممبر پنجاب اسمبلی (۲) چودھری صفدر علی لاہور (۳) جناب محمد حسن خاکوانی ایڈووکیٹ ملتان (۴) راجہ رب نواز ایڈووکیٹ کوئٹہ (۵) ڈاکٹر اعجاز شفیع گیلانی اسلام آباد (۶) جناب مختار حسن راولپنڈی (۷) مولانا مفتی دائم الدین سکھر (۸) جناب اسداللہ بھٹو ایڈووکیٹ سکھر (۹) مولانا حافظ حسین احمد کوئٹہ (۱۰) مولانا قاری عبدالرحمٰن کوئٹہ (۱۱) ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کوئٹہ (۱۲) ڈاکٹر عبدالواسع لورالائی (۱۳) مرزا رشید بیگ کوئٹہ اور (۱۴) جناب شاھد حسین کوئٹہ شامل تھے۔

ایران میں ہمارا میزبان حکومت ایران کا ادارہ "سازمان تبلیغات اسلامی" تھا جس کے بیرونی امور کے ڈائریکٹر جناب حجۃ الاسلام محمد علی تسخیری اور ان کے رفقاء جناب مقصود علی رضوی اور جناب خادم حسین نے میزبانی کے امور کو حسن و خوبی کے ساتھ سرانجام دیا جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں ہمیں ایران میں زاہدان، تہران، مشہد اور قم میں جانے کا اتفاق ہوا اور ایران کی انقلابی حکومت کے متعدد رہنماؤں سے ملاقات اور گفت و شنید کے مواقع بھی میسر آئے جن میں (۱) جناب آیت اللہ منتظری (۲) جناب آیت اللہ جنتی (۳) جناب آیت اللہ خز علی اور (۴) جناب آیت اللہ طبسی کے علاوہ ایرانی پارلیمنٹ اور نگران کونسل کے متعدد سرکردہ ارکان شامل ہیں۔

قم کے دینی مدارس بالخصوص جناب آیت اللہ خمینی کے دینی مرکز مدرسہ فیضیہ تہران کی امام جعفر صادقؒ یونیورسٹی مشہد کی امام رضاؒ یونیورسٹی اور زاہدان کی انجینئرنگ یونیورسٹی کے مختلف شعبے ہمیں دکھائے گئے اور اس طرح ایران میں تعلیمی نظام کی ایک جھلک دیکھنا بھی ہمارے لئے آسان ہوا۔ ہمارے دورہ ایران کے مقاصد میں (۱) انقلاب ایران کے فکری

پس منظر کا جائزہ لینا (۲) ایرانی معاشرہ میں انقلاب سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرنا (۳) انقلابی جدوجہد کے طریق کار کو سمجھنا اور (۴) ایران میں اہل سنت کے حالات اور ان کے حقوق و مفادات کے سلسلہ میں تازہ ترین صورت حال کو معلوم کرنا تھا اور ہماری حتی الامکان یہ کوشش رہی ہے کہ ایران میں قیام کے عرصہ کو ان مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنا سکیں۔

زیر نظر مضمون میں مذکورہ مقاصد کے آخری حصہ یعنی ایرانی اہل سنت کے احوال و حقوق کے سلسلہ میں اپنے تاثرات واحساسات کو قلمبند کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں ضروری نہیں کہ ہمارے وفد کے سارے ارکان کے احساسات وتاثرات یہی ہوں مگر ان احساسات وتاثرات کی بنیاد جن واقعات پر ہے ان کے مشاہدہ میں سب حضرات شریک رہے ہیں ہمارے میزبانوں نے ایران کی اہل سنت آبادی کے بارے میں ہمارے معلوماتی رابطہ کا جو ذریعہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ جس روز ہمیں قومی اسمبلی کی کاروائی دیکھنے کا موقع فراہم کیا گیا اسی روز قومی اسمبلی کے ایک کمیٹی روم میں اسمبلی کے آٹھ اہل سنت ارکان کے ساتھ ہماری ایک نشست رکھی گئی ہمیں بتایا گیا کہ قومی اسمبلی کے دو سو ستر ارکان میں چودہ ممبران اہلسنت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے آٹھ ہمارے ساتھ شریک محفل تھے ایرانی بلوچستان سے دو منتخب رکن مولانا محمد اسحٰق مدنی اور مولانا محمد حامد اور کردستان سے منتخب رکن جناب حسینی صاحب ان سنی ارکان اسمبلی کے گروپ کی قیادت کر رہے تھے اس نشست میں ہمیں بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں اور پارلیمانی طریق کار، انقلاب ایران کے ساتھ اہل سنت کے روابط اور اہل سنت کے دیگر معاملات میں سوال وجواب کے ذریعہ بہت امور کی وضاحت ہوئی لیکن ایک بات ہمیں کھٹکی کہ مولانا محمد حامد اور مولانا محمد اسحٰق مدنی نے اردو سے واقفیت کے باوجود ہمارے ساتھ براہ راست گفتگو سے گریز کیا اور ان کی طرف سے فارسی میں ہی گفتگو کرنے پر اصرار سے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ وہ اس گفتگو کے سلسلہ میں گردوپیش حضرات سے بے نیاز ہونے کو مصلحت کے خلاف سمجھ رہے ہیں اس کے علاوہ اہل سنت کے علماء یا دیگر طبقوں کے ساتھ ہمارا رابطہ میزبانوں کے پروگرام میں شامل نہیں تھا بلکہ بعض مواقع پر یہ تاثر مل رہا تھا کہ یہ رابطہ انہیں پسند بھی نہیں ہے مگر اس کے باوجود ہم نے برادران اہلسنت سے ملاقات کے مواقع نکالے اور طے شدہ پروگرام سے ہٹ کر اور کچھ پروگراموں میں اصرار کے ساتھ ردوبدل کر کے ہم ایسے مواقع مہیا کرنے میں کامیاب ہو سکے بالخصوص مولانا عبد العزیز کے ساتھ ملاقات ہمارے لئے ایک اچھا خاصا مسئلہ بن گئی مولانا موصوف زاہدان کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب ہیں، ایران میں اہل سنت کے سب سے بزرگ عالم دین ہیں ایرانی انقلاب کے رہنماؤں کے رفیق رہے ہیں، انقلاب کے بعد ایک عرصہ تک دستور ساز اسمبلی اور قومی اسمبلی کے رکن تھے ہم جب زاہدان پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولانا موصوف ان دنوں صاحب فراش ہیں اور تہران میں ہیں چنانچہ تہران میں چھ روزہ قیام کے دوران ہم نے مسلسل کوشش کی کہ مولانا موصوف کی عیادت اور ان سے ملاقات ہمارے پروگرام میں شامل ہو جائے مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی اور میزبانوں نے اپنے رویہ سے یہ تاثر دیا کہ وہ اس کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں بالآخر آخری روز جب مشہد کے لئے ہماری روانگی طے ہو چکی تھی مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا حافظ حسین احمد، قاری عبد الرحمن، ڈاکٹر عطاء الرحمن، چوہدری صفدر علی اور راقم الحروف اپنے طور پر مولانا عبد العزیز کی قیام گاہ پر پہنچ گئے اور ان کی عیادت کے علاوہ ان سے مختلف امور پر گفت وشنید کا شرف حاصل کیا مولانا موصوف کے لہجہ کی تلخی اور انقلابی رہنماؤں سے پیدا شدہ شکایات کے اظہار سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ ان کے ساتھ ملاقات کو ہمارے پروگرام میں شامل نہ کرنا بلاوجہ نہ تھا واپسی پر زاہدان میں بھی ایسا

بھی ہوا ہم تین چار حضرات باقی دوستوں کو محو آرام چھوڑ کر از خود دار العلوم زاہدان چلے گئے اور وہاں مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب سے ملاقات کی، یہ دونوں بزرگ دار العلوم کراچی کے فضلاء میں سے ہیں اور دار العلوم زاہدان میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ وفد کے پروگرام میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ عصر کی نماز مکی مسجد میں ہوگی لیکن ظہر کے بعد سے وفد کو اس طرح مسلسل مصروف رکھا گیا کہ عصر چھوڑ مغرب بھی گزر گئی جبکہ علی الصبح پاکستان واپسی کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ عصر اور مغرب کی نماز ہمیں زاہدان یونیورسٹی میں پڑھنا پڑی اور بے حد اصرار، تلخی اور تکرار کے بعد وفد کے ارکان بمشکل عشاء کی نماز کے لئے مکی مسجد تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے وہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے علاوہ نمازیوں سے ملاقات بھی ہوئی اور دار العلوم زاہدان کے کچھ طلبہ سے ان کے مسائل و مشکلات کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

سراوان زاہدان سے کم و بیش دو سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ خاص مولانا محمد یوسف نے ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کر رکھا ہے جہاں دورۂ حدیث بھی ہوتا ہے مولانا موصوف مولانا منظور احمد چنیوٹی کے طالب علمی کے دور کے رفقاء میں سے ہیں انہیں فون پر اطلاع کرائی گئی تو وہ ہماری روانگی والی شب زاہدان پہنچ گئے جس وقت وہ ہماری قیام گاہ میں پہنچے ہمارا وفد گورنر زاہدان سے ملاقات کے لئے جا رہا تھا ہمارا مشورہ یہ ہوا کہ مولانا محمد یوسف صاحب سے گفتگو کے لئے میں ٹھہر جاؤں اور باقی حضرات گورنر زاہدان سے ملاقات کر کے واپسی پر ان سے مل لیں چنانچہ میں ٹھہر گیا مگر ایک نئی صورت حال پیش آئی کہ ہمارے میزبانوں نے مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے دو رفقاء کو ہمارے کمرہ تک جانے کی اجازت نہ دی اور مجھے ان کے ساتھ مہمان خانہ کے ٹی وی لاؤنج میں بالکل اسی طرح تین چار نگران افراد کی موجودگی میں کم و بیش ایک گھنٹہ تک گفتگو کرنا پڑی جیسے جیل میں کسی رہنما کے ساتھ جیل کے عملہ کی موجودگی میں ملاقات کی جاتی ہے۔

ایران میں اہل سنت کو درپیش مشکلات کے سلسلہ میں ہمیں جو کچھ بھی بتایا گیا شاید ہم ان سب باتوں پر یقین نہ کرتے لیکن ہمارے میزبانوں نے اپنے مسلسل منفی رویہ کے ساتھ ہمارے لئے ان شکایات کی مزید چھان بین کی کوئی گنجائش باقی نہ رہنے دی اور یہ باور کرنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہ گیا کہ جن شکایات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ بلاوجہ نہیں ہیں۔ ان گزارشات کے بعد ان مسائل و مشکلات کا ذکر کرتا ہوں جن سے ایران کے اہل سنت اس وقت دوچار ہیں اور ایرانی رہنماؤں کے موجودہ رویہ کے پیش نظر جن کے حل کی بظاہر اس وقت کوئی شکل دکھائی نہیں دے رہی ہے۔

- ایران میں شیعہ سنی بنیاد پر مردم شماری نہیں ہوئی اس لئے سنی آبادی کا تناسب یقینی طور پر معلوم کرنا بہت مشکل ہے البتہ بعض سنی رہنماؤں کے اندازہ کے مطابق اہل سنت ایران کی مجموعی آبادی کا پچیس فیصد ہو سکتے ہیں۔ ایران کے دو صوبوں بلوچستان اور کردستان میں اہل سنت کی اکثریت ہے مگر ملک کا طرز حکومت وحدانی ہے اور صوبائی حکومتوں کی کوئی وجود نہیں ہے صرف گورنر ہوتے ہیں جو مرکز کے نمائندے ہیں اس وجہ سے دو صوبوں میں اہل سنت کی اکثریت کا کوئی سیاسی وزن نہیں ہے ہاں اگر صوبوں کی سطح پر حکومتوں کا وجود قائم ہوتا تو بلوچستان اور کردستان کی صوبائی سنی حکومتیں قومی سطح پر اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان ایک باوقار توازن قائم کر سکتی تھیں۔
- ایران کی قومی اسمبلی میں دو سو ستر کے ایوان میں صرف چودہ سنی ارکان ہیں جو آبادی کے تناسب کے اندازے کی بنیاد پر بہت کم ہیں۔

- ایران کے دارالحکومت تہران میں اہل سنّت کی ایک بھی مسجد نہیں ہے حالانکہ سنیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں آباد ہے مگر انہیں اپنی مسجد الگ بنانے کا حق عملاً حاصل نہیں ہے ۔
- اعلیٰ سطح کی ملازمتوں میں اہل سنّت کا تناسب بالکل نہ ہونے کے برابر ہے حتیٰ کہ سنّی اکثریت کے صوبوں میں بھی تمام اعلیٰ عہدے ایسے افراد کے پاس ہیں جو نہ سنّی ہیں اور نہ ہی وہاں کے لوکل افراد ہیں بالخصوص بلوچستان میں تمام اعلیٰ عہدوں پر غیر سنّی اور غیر لوکل افراد کی موجودگی مقامی آبادی میں احساس محرومی کو جنم دے رہی ہے ۔
- سنّی اکثریت کے صوبوں میں باہر سے غیر سنّی آبادی کو بتدریج لایا جا رہا ہے ۔ بعض ذمہ دار سنّی رہنماؤں نے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ اگر یہ صورت حال اسی طرح قائم رہی تو دس سال تک بلوچستان اور کردستان سنی اکثریت کے صوبے نہیں رہیں گے ۔
- ایران کے دستور میں تمام طبقوں کو تنظیم سازی کا حق دیا گیا ہے ۔ مگر اہل سنّت ابھی تک اس حق سے عملاً محروم ہیں چار سال قبل کردستان کے ایک سنّی رہنما احمد مفتی زادہ نے اہل سنّت کی تنظیم قائم کرنے کی طرف پیش رفت کی اور تنظیم کا ابتدائی ڈھانچہ بنایا مگر اس کے فوراً بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا اور وہ ابھی تک زیر حراست ہیں ۔
- سراوان کے صوفی دوست محمد اہل سنّت کے حقوق کے سلسلہ میں آواز اٹھانے کی پاداش میں ایک سال سے جیل میں ہیں اور اس وقت بیمار بھی ہیں ۔
- سرخس کے مولانا محی الدین بھی اسی نوعیت کے الزام میں ایک سال جیل بھگت چکے ہیں اور انہیں سات سال کیلئے جلاوطن کر دیا گیا ہے ۔
- ایران شہر سے قومی اسمبلی کے سابق رکن مولانا نظر محمد بھی کچھ عرصے سے زیر حراست ہیں اور ان کا قصور یہ سامنے آیا ہے کہ ایرانی ریڈیو پر کی گئی ایک تقریر میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جنگ جمل میں ان کے رفقاء کو ائمۃ الکفر قرار دینے پر انہوں نے احتجاج کیا تھا اور اس تقریر کی مذمت کی تھی ۔
- اہل سنّت کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لئے اس اعلیٰ پیمانے کا تعلیمی نظام موجود نہیں ہے جو ایران کی اکثریتی آبادی کو میسر ہے اس لئے سنی طلبہ پاکستان کے دینی مدارس تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر انہیں پاسپورٹ کی سہولت حاصل نہیں ہے اور جو طلبہ چوری چھپے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ واپسی پر گرفتار کر لئے جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس قم کے مدارس میں پاکستان کے ایک ہزار شیعہ طلبہ زیر تعلیم ہیں پاسپورٹ کے بارے میں بعض طلبہ نے بتایا کہ درخواست کے باوجود انہیں پاسپورٹ نہیں دیا جاتا اور اس رجحان کی مسلسل حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کہ سنی طلبہ پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کریں ۔
- ملک کی دیگر یونیورسٹیوں کے بارے میں بھی یہ شکایات سامنے آئی ہے کہ ان میں سنّی طلبہ کو داخلہ نہیں ملتا بالخصوص ان سنی طلبہ کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جن کے بارے میں یہ رپورٹ ملتی ہے کہ وہ مذہبی رجحانات کے حامل ہیں ۔
- ایک سرکردہ علمی شخصیت نے بڑے دکھ کے ساتھ اس شکوہ کا اظہار بھی کیا کہ شیعہ سنی مشترکہ اجتماعات میں متعدد شیعہ حضرات کی طرف سے اہل سنت کے عقائد و جذبات اور اکابر کے خلاف کھلم کھلا باتیں کی جاتی ہیں اس بزرگ شخصیت کا کہنا یہ تھا کہ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں ۔ غلامی کی زندگی بھی قبول کر سکتے ہیں ۔ مگر اپنے اکابر اور بزرگوں کی توہین کو

آخر کیسے برداشت کریں ؟ یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اس سے تو موت اچھی ہے۔

- جن سنی ملازمین کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل سنت کے حقوق و مفادات کا شعور رکھتے ہیں ان کا تبادلہ ایسی جگہ کر دیا جاتا ہے جہاں وہ نہ جا سکیں اور اس طرح ان سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے خود مولانا عبد العزیز کے بھائی جناب عبد الحکیم بھی اس قسم کے سلوک کا شکار ہو چکے ہیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ شکایات کا یہ سلسلہ اہل سنت کے ان حلقوں کی طرف سے ہے جو انقلاب ایران کے بنیادی طور پر مخالف نہیں ہیں اور شکایات کے باوجود کھلم کھلا اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے شاہی دور کی بہ نسبت انقلاب کے بعد کا دور بہتر ہے انہیں یہ بھی اعتراف ہے کہ انقلاب کے بعد شروع میں اہل سنّت کے ساتھ انقلابی لیڈروں کا رویہ حوصلہ افزا رہا ہے لیکن جوں جوں انقلاب مستحکم ہوتا جا رہا ہے اس رویہ میں بھی تبدیلی آ رہی ہے اور اب شکایات کا یہ تسلسل ایران کے انقلابی لیڈروں اور ملک کی پچیس فیصد سنی آبادی کے درمیان بے اعتمادی کی ایک ایسی خلیج پیدا کر رہا ہے جسے نظر انداز کرنا خود انقلاب ایران کے مفاد میں نہیں ہوگا۔

عالم اسلام کی تنظیموں اور دینی و فکری حلقوں کو ایران کے اہل سنت کے حالات کی طرف توجہ دلانے کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے اس توقع پر اس مضمون کا اختتام کر رہا ہوں کہ عالم اسلام کی اجتماعی رائے عامہ ایران کی مجموعی آبادی کے پچیس فیصد حصے کے پامال ہوتے ہوئے حقوق کے لئے مؤثر آواز بلند کرے گی اور بالآخر ایران کی انقلابی قیادت کو اس ضرورت کا احساس کرنا ہوگا کہ وہ ایران کے اہل سنّت کے جائز حقوق بحال کرے اور ان کی شکایات کا ازالہ کر کے انہیں ایک باوقار حیثیت کا عملی احساس دلائے۔

مسافرانِ آخرت:

محمد تقی عثمانی

الحمد للہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ مطابق یکم فروری ۱۹۸۷ء کو میں بفضلہ تعالیٰ عمرے کی ادائیگی کے بعد جدہ سے خرطوم (سوڈان) جانے کیلئے روانہ ہو رہا تھا کہ جدہ میں پاکستان کے قونصل ظفر اللہ شیخ صاحب نے مجھے ایک ٹیلیکس کا پیغام دیا۔ اس پیغام میں یہ جانکاہ خبر دی گئی تھی کہ "آپ کے بہنوئی جناب مولانا نور احمد صاحب گذشتہ رات انتقال فرما گئے"۔ پہلے جب شیخ صاحب نے زبانی یہ خبر سُنائی تھی تو یقین نہیں آیا تھا، اور میں نے دل کو یہ تسلی دینے کی کوشش کی تھی کہ شاید پیغام سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہوگی، اس لئے کہ ابھی پرسوں جمعہ کے دن میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ پوری طرح صحت مند، ہمیشہ کی طرح فعّال اور چاق وچوبند تھے، اور کسی بیماری یا کمزوری کے دُور دُور کوئی آثار نہ تھے، لیکن جب شیخ صاحب نے تحریری پیغام دیا تو دل پر ایک بجلی سی گری، اس المناک خبر کو سچ ماننے بغیر چارہ نہ تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ احقر کے بہنوئی بھی تھے اور استاذ بھی، اور اس لحاظ سے ان کی وفات میرے لئے ایک زبردست اور گھریلو حادثہ تو ہے ہی، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اسلام کے ان خاموش رضاکاروں میں سے تھے جن کی پوری زندگی علمی، تعلیمی، اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں کسی نہ کسی جہت سے خدمتِ دین میں بسر ہوئی، لیکن وہ نام ونمود اور شہرت کے معروف ذرائع سے ہمیشہ دُور رہے۔ قیامِ پاکستان کی تحریک سے لیکر روزِ وفات تک ملک وملّت کے نہ جانے کتنے اہم کاموں میں انہوں نے مؤثر حصّہ لیا، لیکن اس طرح کہ جب ان کاموں کی تاریخ مرتب کرنے والے تاریخ مرتب کرینگے تو شاید ان کاموں میں ان کا نام نہ آئے، یا آئے تو سرسری اور مختصر انداز میں، اور اسی طرح دینی خدمات کے ساتھ اس دَور میں شہرت وسُمعت کے جو وسائل ہر وقت لگے رہتے ہیں، مولاناؒ اُن سے اپنا دامن بچاتے ہوئے دُنیا کی حد پار کر گئے۔ لیکن برصغیر

پاک و ہند بشمول بنگلہ دیش و برما کا شاید کوئی دینی حلقہ ایسا نہیں ہوگا جو اُن سے اور ان کی خدمات سے واقف نہ ہو، لہٰذا ان کی وفات محض ایک شخصی اور گھریلو حادثہ ہی نہیں، ملک و ملت کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مولاناؒ اپنے وطن سے علوم دین کی تکمیل کیلئے دارالعلوم دیوبند آئے تھے، اپنی ذہانت و ذکاوت اور مضبوط علمی استعداد کی بنا پر اپنے تمام اساتذہ کے منظورِ نظر رہے، اور ہمیشہ امتحانات میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ اساتذہ کی خدمت اور ان کے علمی و عملی کاموں میں ہاتھ بٹانے کا خاص ذوق تھا، اس لئے تعلیم سے فراغت کے بعد بھی دیوبند ہی میں مقیم ہوگئے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ سے خصوصی تعلق قائم کیا، اور جب ۱۹۴۸ء میں حضرت والد صاحبؒ ہجرت کرکے پاکستان تشریف لائے تو اگلے ہی سال مولاناؒ بھی کراچی تشریف لے آئے۔ حضرت والد صاحبؒ کا ذاتی کتب خانہ جو دیوبند میں رہ گیا تھا، اور حضرت والد صاحبؒ کی عمر بھر کی پونجی تھی، اُسے پاکستان منتقل کرنے میں مولاناؒ نے بڑی محنت کی جس کی حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے دل میں بڑی قدر تھی۔

یہ احقر کے بچپن کا بھی بالکل ابتدائی زمانہ تھا، میں نے دیوبند میں قاعدہ بغدادی شروع کیا تھا کہ پاکستان منتقل ہونے کا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ کراچی میں اس وقت دُور دُور تک کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جس میں میری عمر کے بچے تعلیم حاصل کرسکیں، چنانچہ احقر کی ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ نے قبول فرمائی، اور مجھے قاعدہ بغدادی پڑھانا شروع کیا، ابھی قاعدہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ خاندان کے کچھ بچوں کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ پارۂ عم بھی ختم کرچکے ہیں، اس اطلاع پر انہوں نے احقر کو قاعدہ بیچ میں چھڑوا کر پارۂ عم شروع کرادیا، اور ابتدائی چند پارے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ پڑھادیئے، اُس وقت حضرت والد صاحبؒ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ کے ساتھ ملکی و ملی خدمات میں مصروف رہتے تھے، اور حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ بھی ان کا ہاتھ بٹانے کیلئے ہمہ وقت انہی کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے میری پڑھائی کا نہ کوئی وقت مقرر تھا، نہ دن، جب کبھی مولاناؒ کو موقع مل گیا، مجھے لیکر بیٹھ گئے، اور یہ ان کے اندازِ تعلیم اور والدین کی دُعاؤں کی برکت تھی کہ اس طرح بے قاعدگی سے پڑھنے کے باوجود میں نے سات پارے پورے کرلئے، اور ناظرہ پڑھنے کے لائق ہوگیا۔

اس مرحلے پر مولاناؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اب باقی ماندہ قرآن کریم تم خود نکال سکتے ہو، روزانہ تھوڑا تھوڑا خود پڑھ لیا کرو، چنانچہ اب انہوں نے مجھے قرآن کریم کے بجائے بہشتی گوہر اور سیرت خاتم الانبیاء شروع کرادی، اور ان دونوں کتابوں کے بعد حمد باری! —— اتنے عرصہ میں پہلے جامع مسجد جیکب لائنز کے اندر، اور پھر مسجد باب الاسلام آرام باغ میں چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہوگئے جن میں ابتدائی فارسی کی تعلیم کا انتظام تھا، پھر احقر نے وہاں پڑھنا شروع کردیا۔

لیکن اس ناکارہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حرف شناسی کی جو مقدار بھی حاصل ہوئی، وہ ظاہر اسباب میں حضرت مولانا نور احمد صاحب قدس سرہٗ کی رہین منت ہے، اور اس لحاظ سے بھی وہ احقر کے

بہت بڑے محسن ہیں۔

پاکستان منتقل ہونے کے بعد ابتدائی چند سالوں میں حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی زیادہ تر توجہ ملک میں اسلامی دستور و قانون کے نفاذ کے کاموں پر مرکوز رہی، اور اس مقصد کیلئے زبان و قلم سے لیکر تحریکی اور جماعتی انداز کی جدوجہد تک ہر قسم کے کام حضرت والد صاحبؒ کو کرنے پڑے۔ اُس دور میں حضرت والد صاحبؒ کے ان تمام کاموں میں حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دست و بازو اور خصوصی معاون بنے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو مہم جوئی اور مشکلات کو سَر کرنے کا نہ صرف ملکہ، بلکہ اس کا خاص ذوق و شوق عطا فرمایا تھا، وہ اس معاملے میں غیر معمولی عزم و ارادے اور حوصلے کے مالک تھے، جو کام سادہ، آسان اور معمولی ہو وہ کر ضرور لیتے تھے، لیکن ان کی اصل جولانیاں ایسے مواقع پر ظاہر ہوتی تھیں جب کوئی ایسا مشکل اور سخت محنت طلب کام سامنے آجائے جس سے عام لوگ پیچھے ہٹ رہے ہوں، ایسے مواقع پر وہ آگے بڑھ کر بڑے ذوق و شوق سے اس کام کو سنبھالتے، اور جب تک وہ کام اپنی انتہا کو نہ پہنچ جاتا، اس کے لئے تن من کی بازی لگائے رکھتے، اس معاملے میں رات دن کو ایک کر کے بظاہر ناممکن کو ممکن کر دکھانا اُن کا وہ خاص وصف تھا جس سے ان کے ساتھ ہر واقفیت رکھنے والا پوری طرح آگاہ ہے۔

چنانچہ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے مذکورہ بالا کاموں میں وہ اسی دُھن اور جذبے کے ساتھ مصروف رہتے تھے، اور اس طرح اُس دَور کی حضرت والد صاحبؒ کی بیشتر خدمات میں انشاء اللہ وہ عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہونگے۔

حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کو کراچی منتقل ہونے کے بعد اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس بھرے پُرے شہر میں، جو اس وقت ملک کا دارالحکومت بھی تھا، کوئی معیاری دینی درس گاہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ وہ یہاں ایک معیاری دارالعلوم قائم فرمانا چاہتے تھے۔ شروع میں مسجد باب الاسلام آرام باغ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ "امداد العلوم" اور اسی کے ساتھ ایک کمرہ تعمیر کر کے ایک "دارالافتاء" قائم فرمایا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی نگرانی میں ان اداروں کا عملی انتظام حضرت مولانا نور احمد صاحب قدس سرہٗ نے ہی سنبھالے رکھا۔

۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ محلہ نانک واڑہ میں ہندوؤں کے ایک متروکہ اسکول کی عمارت مدرسے کے قیام کیلئے مہیا ہوگئی۔ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ نے اس عمارت میں بنام خدا تعالیٰ وہ مدرسہ قائم فرمایا جو آج بحمد اللہ دارالعلوم کراچی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عمارت بڑی میلی کچیلی اور کباڑ خانے کی سی حالت میں ملی تھی، حضرت والد صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی صفائی کر کے اس مدرسے کا آغاز فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ مدرسے کی کلی نگرانی کیلئے ایک مجلسِ منتظمہ قائم فرمائی جس میں متعدد علماء اور شہر کے دیندار معزز افراد شامل تھے، حضرت والد صاحبؒ

اس مجلس کے صدر قرار پائے، اور حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دار العلوم کا ناظم مقرر کیا گیا، اور اس حیثیت میں بھی مولاناؒ نے اپنی فعّال اور متحرک شخصیت کے جوہر دِکھلائے۔

اللہ تعالیٰ نے مدرسے کو مقبولیت عطا فرمائی، اور طلبا کا رجوع بڑھا، یہاں تک کہ وہ عمارت تنگ محسوس ہونے لگی۔ ۱۹۵۵ء میں اللہ تعالیٰ نے دار العلوم کو شہر سے باہر اُس علاقے میں ایک وسیع قطعہ اراضی عطا فرمایا جہاں آج کورنگی انڈسٹریل ایریا آباد ہے، اُس وقت کورنگی کی آبادی کا نہ کوئی نام ونشان تھا، نہ اس کا کوئی تصور۔ اس علاقے سے نزدیک ترین شہری آبادی لانڈھی کی تھی، آمد ورفت کے ذرائع مفقود تھے، اور شہر سے اتنی دُور جگہ پر مدرسے کی تعمیر بڑا کٹھن مرحلہ تھا، لیکن حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ کی مہم جویانہ طبیعت نے اس کٹھن مرحلے کو بڑی خوبی کے ساتھ مَردانہ وار طے کیا، اور مختصر سی مدت میں یہاں تین عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہو گئیں جن میں ایک درسگاہوں اور دو طلبہ کی قیام گاہوں پر مشتمل تھیں، چنانچہ ۱۹۵۶ء میں دار العلوم اس نئی عمارت میں منتقل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کو مولاناؒ سے دار العلوم سے باہر بھی مختلف جہات میں کام لینا تھا، چنانچہ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ وہ (غالباً ۱۹۶۵ء کے آغاز میں) دار العلوم سے مستعفی ہو گئے، اور انہوں نے "مجلسِ دعوۃ الحق" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں پہلی بار سوشلزم کے قیام کی تحریک پوری قوت سے اٹھ رہی تھی، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے "مجلس دعوۃ الحق" کے ذریعے سوشلزم کی تردید کو اپنا ہدف بنا کر، ہر طرح کی علمی اور عملی جدوجہد شروع کی، اور اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ سوشلزم کے بارے میں ۱۱۳ علماء کا وہ فتویٰ جس نے اس دَور میں بہت شہرت حاصل کی، درحقیقت مولاناؒ ہی کی جدوجہد کا نتیجہ تھا، اور مختلف مکاتبِ فکر کے علماء سے اس پر دستخط حاصل کرنے کے لئے انہوں نے چند روز کے اندر کراچی سے پشاور تک کا رمیں طوفانی سفر کیا تھا۔

جب افغانستان میں روسی افواج کے داخلے کی بنا پر افغان مجاہدین نے گوریلا جنگ شروع کی، تو ان مجاہدین کو مادی اور اخلاقی امداد فراہم کرنے میں بھی مولاناؒ نے نمایاں کردار ادا کیا، افغان مجاہدین کی مختلف تنظیموں سے مولاناؒ کے بڑے گہرے روابط تھے، اور وہ سب ان کی خدمات کے احسان مندی کی حد تک معترف ہیں اس سلسلے میں متعدد مرتبہ مولاناؒ نے سرحد تک سفر بھی کیا، پاکستان میں مختلف حلقوں سے مل کر انہیں جہادِ افغانستان کے متعلق ان کے فرائض کا احساس دلایا، اور لاکھوں روپے کا چندہ جمع کر کے افغان مجاہدین تک پہنچایا، اور ایک زمانہ ایسا گذرا کہ مولاناؒ کی شب وروز کی مصروفیات اسی جہاد سے متعلق تھیں۔

اسی جہاد کے سلسلے میں مولاناؒ کا رابطہ مؤتمر العالم الاسلامی سے قائم ہوا، اور مؤتمر نے آپ کو نشر و اشاعت اور دعوت وارشاد کا ناظم بھی مقرر کر دیا۔ اور اس حیثیت میں بھی انہوں نے ملک اور بیرونِ ملک خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔

آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے دینی علوم کی جو عظیم خدمت لی، وہ اپنی پائیداری اور اثرات کے لحاظ سے ایسی خدمت ہے کہ اگر ان کی زندگی میں صرف ایک ہی کارنامہ انجام پایا ہوتا تو شاید اُن کی سعادت وفضیلت کیلئے

کافی تھا۔ انہوں نے "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ" کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم فرمایا۔ شروع میں یہاں سے تصحیح کے خصوصی اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کے نسخے شائع کئے جو اپنی صحت، حسن اور دلکشی کے لحاظ سے کسی طرح تاج کمپنی کے نسخوں سے کم نہ تھے۔ اس کے بعد اسی ادارے سے انہوں نے "اعلاء السنن" جیسی عظیم الشان کتاب جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی بار مکمل ٹائپ پر شائع کی۔ "اعلاء السنن" وہ جلیل القدر کتاب ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنی نگرانی میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ سے تالیف کروائی تھی، اور خود حضرتؒ کا یہ ارشاد متعدد بزرگوں نے نقل کیا کہ اگر خانقاہ تھانہ بھون سے اس کتاب کی تالیف کے سوا کوئی اور کام نہ ہوا ہوتا تو تنہا یہی کام اس کی سعادت کے لئے کافی تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو اس کتاب کی اشاعت کا بہت اہتمام تھا، لیکن قلتِ وسائل کی بنا پر اُس وقت اس کی صرف گیارہ جلدیں شائع ہو سکیں، اور وہ بھی لیتھو کی طباعت کے ساتھ، باقی حصے سالہا سال تک تشنۂ طباعت رہے۔ آخر میں حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخر عمر میں یہ سوچ کر کہ یہ حصے کسی طرح وجود میں آکر محفوظ ہو جائیں، انہیں نہایت معمولی کاغذ پر لیتھو کی طباعت کے ساتھ چھپوا دیئے تھے، مگر اس کا مقصد محض کتاب کو وجود میں لانا تھا، اول تو طباعت ایسی تھی کہ خاص طور پر اہل عرب اس سے استفادہ نہ کر سکتے تھے، دوسرے اس وقت تک ابتدائی جلدیں نایاب ہو چکی تھیں۔

ہمارے تقریباً تمام بزرگوں کی تمنا تھی کہ یہ کتاب ٹائپ پر مکمل شائع ہو، لیکن بیس جلدوں کی طباعت کا انتظام کار دشوار تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ کے دل میں یہ داعیہ پیدا فرمایا، اور یہ کام انہی جیسے شخص کی ہمتِ مردانہ کا منتظر تھا۔ پاکستان میں عربی ٹائپ کی طباعت انتہائی مشکل کام تھا، اس کیلئے سرمایہ بھی درکار تھا اور محنت بھی، حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ نے اپنی خداداد قابلیت سے یہ مشکل کام بڑی خوبی کے ساتھ سر کیا، اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ کتاب طباعت کے حسین پیرہن میں منظرِ عام پر جلوہ گر ہو گئی۔

"اعلاء السنن" کی اشاعت نے ان کے سامنے علم ودین کی خدمت کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا، اور اب انہوں نے ایسی نایاب کتابوں کی جستجو شروع کر دی جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں، یا طبع ہو کر مدت سے نایاب ہو چکی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یکے بعد دیگرے بہت سی گرانقدر علمی کتب شائع کیں جو ماضی قریب میں عالم اسلام کے کسی بھی حصے میں شائع نہیں ہوئی تھیں۔ "مصنف ابن ابی شیبہ" کا مکمل نسخہ پہلی بار بمبئی سے حال ہی میں شائع ہوا تھا، لیکن اس میں بھی بہت سے ابواب غائب تھے، مولاناؒ نے پیر جھنڈا کے کتب خانے سے اس کا مخطوطہ نکلوا کر ان ابواب کا اضافہ کیا، اور پہلی بار اتنی مکمل صورت میں یہ کتاب شائع فرمائی۔ اسی طرح امام محمدؒ کی مبسوط جو کتاب الأصل کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعض متفرق حصے مختلف ملکوں میں شائع ہوئے تھے مولاناؒ نے ان حصوں کو یکجا کر کے شائع کیا۔ "الأشباہ والنظائر" مدت سے نایاب تھی، انہوں نے یہ کتاب بھی طبع فرمائی۔ اس کے علاوہ امام محمدؒ کی "الجامع الصغیر" اور "کتاب الآثار" بھی پاکستان میں پہلی بار اتنے خوبصورت

لباس میں شائع کیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "المحیط البرھانی" ابھی تک دنیا میں کہیں طبع نہیں ہوئی، یہ کتاب فقہ حنفی کے اہم ترین مآخذ میں سے ہے، لیکن دُنیا بھر میں اس کے صرف چند قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ کتاب اتنی ضخیم ہے کہ ابتک کسی ناشر نے اس کی اشاعت کی ہمت نہیں کی، اس کی اشاعت بلاشبہ اتنا کٹھن کام ہے کہ اچھی اچھی اکیڈمیوں کو اس کے تصور سے پسینہ آجائے، لیکن مولانا نے اس کتاب کو بلاشبہ منظر عام پر لانے کا ارادہ کر لیا تھا، اور اسی غرض کے لئے محنتِ شاقہ برداشت کر کے اس کے دو مکمل نسخوں کی فوٹو کاپیاں حاصل کرلی تھیں، ایک نسخہ راولپنڈی سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں میں موجود تھا جہاں فوٹو اسٹیٹ وغیرہ کی کوئی سہولت مہیا نہ تھی، مولانا اسلام آباد سے ایک فوٹو اسٹیٹ مشین کے مالک کو منہ مانگی اُجرت دیکر اس گاؤں میں لیکر گئے، اور دن رات جاگ کر اس کی فوٹو کاپی نکلوائی، دوسرا نسخہ مدینہ منورہ کے ایک کتب خانے سے اسی طرح حاصل کیا، اور ان سے کئی نسخے تیار کرلئے۔ ابھی نسخوں کی فراہمی کا عمل مکمل ہوا تھا، اور طباعت کا آغاز نہ ہوسکا تھا کہ زندگی کا سفر تمام ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

جس زمانے میں وہ "المحیط البرھانی" کے نسخوں کی جستجو میں مصروف تھے اسی دور میں ایک طرف "المبسوط للسرخسیؒ" کی طباعت کا کام جاری تھا جو اب بحمد اللہ تکمیل کو پہنچ رہی ہے، اور دوسری طرف "احکام القرآن" کی طباعت کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔

"اعلاء السنن" کی طرح "احکام القرآن" بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کے عظیم کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے، اس کی تالیف آپ نے مختلف علماء کے سپرد فرمائی تھی، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت والد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم نے قرآن کریم کے مختلف حصوں کا کام اپنے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ اس کتاب کے بیشتر حصے کی تالیف مکمل ہوچکی تھی، البتہ بیچ کے دو حصے باقی تھے کہ تحریکِ قیامِ پاکستان کے ہنگامے میں یہ کام رک گیا۔ حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ نے "اعلاء السنن" کی طرح اس کے بیشتر حصوں کو وجود میں لانے کے لئے معمولی رف کاغذ پر چھپوا دیا تھا۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اشاعت کا بھی بیڑا اٹھایا، اور اب اس کتاب کی طباعت بھی تکمیل کے قریب تھی کہ داعئ اجل آپہنچا۔ افسوس کہ وہ اسے مطبوعہ کتاب کی شکل میں خود نہ دیکھ سکے، لیکن اُمید ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب جلد منظرِ عام پر آجائے گی، اور ان کے صدقاتِ جاریہ میں اضافے کا سبب بنے گی۔

بہرکیف! ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کے ذریعے نایاب عربی کتابوں کی اشاعت کا جو عظیم کارنامہ انہوں نے انجام دیا ہے، اور ملک کے طباعتی واشاعتی حلقوں میں جو نئی طرح ڈالی ہے وہ ان ان کے حسناتِ زاخرہ کا بڑا روشن باب ہے۔

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے انہیں قابل و صالح اولاد سے بھی نوازا۔ ان کے بڑے صاحبزادے

مولوی امین اشرف سلمہٗ دارالعلوم کے فارغ التحصیل اور مدینہ طیبہ کے ہائی کورٹ میں موظف ہیں، ان سے چھوٹے صاحبزادے مولوی رشید اشرف سلمہٗ دارالعلوم کے قابل اور مقبول اساتذہ میں سے ہیں، اور احقر کی تقریر ترمذی انہوں نے ہی بڑی قابلیت سے مرتب کی ہے جو "درس ترمذی" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ان سے چھوٹے صاحبزادے مولوی قاسم اشرف سلمہٗ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہیں، جامعہ اسلامیہ اسلام آباد میں ایل ایل ایم کر چکے ہیں، آجکل اپنے مقالے کی تیاری میں مصروف ہیں، اور ماشاء اللہ تقریباً ہر امتحان میں اوّل آتے رہے ہیں، ان سے چھوٹے دو صاحبزادگان مولوی نعیم اشرف اور مولوی فہیم اشرف سلمہما بھی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے فارغ ہونے کے بعد ادارۃ القرآن کے کاموں میں اپنے والدِ گرامی کا ہاتھ بٹاتے رہے اور اب ماشاء اللہ یہ ادارہ انہوں نے ہی سنبھالا ہوا ہے، ان صاحبزادگان کی ذہانت و قابلیت، سعادت مندی اور علمی ذوق سے پوری توقع ہے کہ وہ ان شاء اللہ اس ادارے کے کام کو اپنے والدِ گرامی کے بنائے ہوئے نقوش پر آگے بڑھانے کی پوری کوشش کرینگے۔

حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ کافی مدت سے لسبیلہ ہاؤس کے مکان میں مقیم تھے، اور اسی کی نچلی منزل میں "ادارۃ القرآن" قائم کیا ہوا تھا۔ میں جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد میں جاتا تو وہاں ان سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء کے جمعہ کو نمازِ جمعہ کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں ابھی اسلام آباد کے سفر سے واپس آیا ہوں اور اس مرتبہ پشاور کے بعد افغان سرحد پر ایسی جگہ تک جانا ہوا جہاں سے گولہ باری کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ کہکر ایک لمحے کیلئے رُکے اور پھر روہانسی آواز میں فرمانے لگے کہ "لیکن حسرت یہ ہے کہ وہاں سے شہادت لئے بغیر کیسے واپس آگیا"!

اس کے بعد انہوں نے احقر سے پوچھا کہ تم سوڈان کب جا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ انشاء اللہ کل روانگی ہے۔ فرمانے لگے کہ میں "کتاب الآثار" اور "عنوان الشرف الوافی" کا ایک ایک نسخہ دوں گا، وہ سوڈان میں ڈاکٹر حسن الترابی اور وزیر اعظم صادق المہدی کو دیدینا۔ پھر فرمانے لگے کہ "معارفِ لدنیہ" پر تبصرہ کب لکھو گے؟ (یہ کتاب صوبہ سرحد کے ایک بزرگ شیخ عبدالنصیر چلاسی مدظلہم کی فارسی مثنوی ہے جو مولاناؒ نے شائع کی تھی) میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ سفر سے واپسی پر۔ فرمانے لگے کہ کتاب اپنے ساتھ رکھ لو، جب کبھی موقع ملے، سفر کے دوران لکھ دینا۔ احقر نے عرض کیا کہ کتاب ضخیم اور وزنی ہے، غیر ملکی سفر میں اتنا وزن ساتھ رکھنا مشکل ہوگا، میں انشاء اللہ دس بارہ دن تک واپس آہی جاؤں گا۔ فرمانے لگے، "پھر ایسا کرو کہ جلد توڑ کر کچھ صفحات ساتھ رکھ لو"۔ میں خاموش ہو گیا۔

پھر جب میں نے ڈرائیور کو "کتاب الآثار" وغیرہ لینے کیلئے بھیجا تو اس کے ساتھ معارفِ لدنیہ کا ایک نسخہ جلد توڑ کر بھیجدیا ــــ مولاناؒ اس وقت پوری طرح چست اور توانا تھے، اور دور دور کسی بیماری یا کمزوری کے آثار نہ تھے، لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہوگی۔

اگلے دن شام کو ۴ بجے میں جدہ روانہ ہو گیا، اسی روز رات کو تقریباً بارہ بجے تک وہ معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مشغول رہے، نہ جانے کتنے معاملات نمٹائے، کتنوں سے فون پر بات کی، یہاں تک کہ

اس دن کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر بارہ بجے بستر پر پہنچے۔ کچھ ہی دیر بعد اچانک کھانسی کا دورہ شروع ہو گیا جو تھوڑی دیر بعد دل کے شدید دورے میں تبدیل ہو گیا، گھر والے اس یک بیک تکلیف کو ابھی سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ پیشاب کی حاجت ہوئی، اور وہ اپنے پاؤں چل کر بیت الخلاء تشریف لے گئے، لیکن جب واپس نکلے تو دروازے پر ہی گھر والوں سے کہا کہ مجھے سنبھالو، میں گر رہا ہوں، احقر کی ہمشیرہ اور عزیزم فہیم اشرف سلمہٗ نے سہارا دیکر بمشکل کمرے میں پہنچایا۔ دوسرے صاحبزادے عزیزم مولوی نعیم اشرف سلمہٗ معالج کو بلانے چلے گئے تھے، لیکن بستر تک پہنچنا ممکن نہ رہا تو بستر کے قریب فرش ہی پر نیم دراز ہو گئے، اور بار بار باآواز بلند "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کہتے رہے، اور یہی کلمات ادا کرتے کرتے دنیا کی حد پار کر گئے۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جس طرح وہ دنیا میں ہر کام بعجلتِ ممکنہ کرنے اور کر والنے کے عادی تھے، دنیا سے رخصت ہونے میں بھی اتنی ہی عجلت کا معاملہ ہوا کہ پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر عالمِ بالا کا سفر طے کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور یہ صلاحیتیں انہوں نے بحیثیتِ مجموعی خدمتِ دین ہی میں صرف فرمائیں، یوں بھی انہیں تدین، ذوقِ عبادت اور رجوع الی اللہ کا خاص رنگ اپنے اساتذہ سے ورثے میں ملا تھا جو کبھی کسی ماحول اور کسی حالت میں نہیں اترا۔ عام طور سے سیاسی اور انتظامی امور کو علم سے بَیر ہوتا ہے، اور ان مصروفیات میں پھنس کر انسان علم سے دور ہو جاتا ہے، لیکن یہ وصف انہی میں دیکھا کہ ان تمام مصروفیات کے باوجود ان کا نہ صرف علمی ذوق بلکہ استحضار بھی ہر حالت میں باقی رہا، اللہ تعالیٰ نے اسی مشغلے میں زندگی اور اسی میں موت عطا فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زلّات کی کامل مغفرت فرمائیں، آخرت میں انہیں جوارِ رحمت سے نوازیں، اور اپنے مقاماتِ قرب میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائیں۔ آمین۔ قارئین سے بھی ان کیلئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب اور پس ماندگان کے لئے دعائے صبر کی درخواست ہے۔
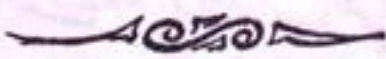
نوٹ: تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدیں بھیجنا ضروری ہیں۔

معارفِ لدنیہ

تالیف: مولانا الشیخ غلام النصیر چلاسی دامت فیوضہم

ناشر:- ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، اشرف منزل، ۴۳/۳۷ - گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵

۳۶×۲۳ سائز کے دبیز سفید کاغذ پر ۱۰۲۷ صفحات - قیمت -/۱۵۰ روپے

اس کتاب کے مصنف جناب مولانا غلام النصیر چلاسی مدظلہم سے راقم الحروف کو کبھی ذاتی طور پر نیاز حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اپنے متعدد بزرگوں اور احباب سے ان کے ایسے اوصاف کا ذکر سنا ہے جو اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ بالخصوص حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنکی اسی مہینے وفات ہوئی ہے آپ کے علمی و عملی کمالات کی تعریف میں عقیدت مندی کے ساتھ رطب اللسان تھے۔ جو باتیں مستند حضرات سے اب تک سنی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا ہے اور کسی مکتب و مدرسہ میں پڑھے بغیر آپ علم و فضل کے مقام بلند پر فائز ہیں اور بالخصوص توحید و سنت کی نشر و اشاعت میں آپ نے گلگت کے علاقے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

یہ کتاب آپ کی چھ کتابوں کا مجموعہ ہے:-

(۱) خیابان چلاسی (۲) معدن التوحید (۳) گنجینۂ معرفت (۴) تحائفِ قدسیہ (۵) بیع الحکمۃ
(۶) گلدستۂ عشاق

یہ تمام کتابیں "مثنوی مولانا روم" کے طرز پر منظوم فارسی میں نصائح، حکایات اور حکمت و موعظت پر مشتمل ہیں۔ ایک ہزار سے زائد صفحات کی اس کتاب کو یہ ہیچ مداں پوری تو نہیں پڑھ سکا، لیکن اس کا ایک معتد بہ حصہ زیر مطالعہ رکھنے کی سعادت ضرور حاصل کی ہے، اور یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ یہ کلام شاعرانہ تصنع اور آورد کے بجائے کسی صاحب دل کے قلب پر وارد شدہ حکمتوں کا خزانہ ہے اور اس کے بعض حصے ایسے ہیں کہ اگر کسی صاحبِ ذوق کو شاعر کا نام بتائے بغیر سنائے جائیں تو اُسے مثنوی مولانا روم کا

دھوکہ ہو جائے۔

اصل کلام فارسی میں ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں فارسی جاننے والے بہت کم رہ گئے ہیں اس لئے فاضل مؤلف کے متقدین دمتوسلین میں سے ایک صاحب محمد بشیر خان فوق دہلوی نے ہر شعر کے نیچے اس کا نہایت شگفتہ اور مطلب خیز ترجمہ کر دیا ہے اس طرح اس کتاب سے وہ لوگ بھی بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فارسی نہیں جانتے۔

کتابت و طباعت اور جلد بندی کے لحاظ سے بھی کتاب نہایت معیاری ہے اور انشاءاللہ اہل ذوق کی تسکین کا بہترین سامان مہیا کرے گی۔ (م ت ع)

نام کتاب:۔ **جوہر تقویم** مرتب:۔ ضیاءالدین لاہوری ۔ سائز۔ $\frac{23 \times 18}{8}$

کل صفحات:۔ ۱۲۰ ۔قیمت:۔ ۱۵ ر روپے۔

ناشر:۔ الحقائق۔ آصف بلاک ۔ علامہ اقبال ٹاؤن ۔ لاہور۔

اہل تحقیق اور تجزیہ نگار حضرات کے لئے ضروری ہے کہ متعلقہ واقعہ کی جگہ، وقوع کا دن، وقت اور اس کی تاریخ پیش نظر رہے تاکہ صحیح حقائق تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ سیرت کی کتابوں میں یوں تو سینکڑوں واقعات کو موقت کیا گیا اور یہ تاریخیں اگرچہ بلا کسی ادنیٰ شبہ کے اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ گویا سب کی سب دستاویزی تھیں۔ کیونکہ تقریباً تمام اہم واقعات کی توقیتی صراحتوں میں بظاہر اس درجہ تضاد اور تناقض نظر آتے ہیں کہ ان روایات کو تاریخ کا مرتبہ مشکل ہو جاتا ہے۔ نہ دن تاریخوں سے مطابقت کرتے ہیں نہ مہینے موسموں سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہور اسلام کے جزیرہ نمائے عرب میں کئی تقویمیں رائج تھیں جن میں ایک مکے میں رائج تھی۔ یہ تقویم قمری شمسی تھی اور ایک خاص نقطہ فصلی سے شروع ہو کر اسی نقطے پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس تقویم میں وقتاً فوقتاً کبیسہ مہینے اضافہ ہوتے رہتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسری تقویم رائج تھی جو خالص قمری تھی۔ مگر دونوں کے مہینے ہم نام تھے۔ مہاجرین مکہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اپنے ساتھ مکی تقویم بھی لے گئے اس طرح ہجرت کے بعد مدینے میں بیک وقت دو تقویمیں رائج ہو گئیں جس کے نتیجے میں بعض لوگوں نے مکی تقویم کے بموجب یادداشتیں مرتب کیں اور بعض نے مدنی کیلنڈر کے مطابق۔ یہی بنیادی سبب ہے کہ بعض واقعات کی تاریخوں میں اختلاف ہے اور بعض کے دنوں میں جس کی وجہ سے سیرت کے بہت سے واقعات میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ مکی تقویم اس وقت ناپید ہے۔ جس کی وجہ سے واقعات سیرت کی مکمل توقیتی تشریح ممکن نہیں ہے۔ اگر مکی تقویم کی بازیافت کر لی جائے تو ہر قسم کی توقیتی الجھنیں ختم ہو جائیں۔

پندرہویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں اسلامی تقویم کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا۔ اس موضوع پر چند کتابیں موجود ہیں مگر عیسوی تاریخوں سے ہجری تاریخیں معلوم کرنے کی کوئی تقویم نہیں تھی۔ زیر تبصرہ تقویم تقریباً انیس ہزار مہینوں کی درست تقابلی تاریخیں معلوم کرنے کے لئے ایک ایسی مختصر اور جامع تقویم ہے۔ اس میں ۱۵۰۰ھ تک تقابلی عیسوی تاریخوں کے علاوہ عیسوی یا ہجری تاریخوں کے ایام معلوم کرنے کے لئے ہزاروں سالوں پر محیط عرصہ کے مختصر ترین نقشے پیش کئے گئے ہیں اور کم سے کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ مواد سمونے کے جدولوں کا نیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ تقویمی اصولوں کی بنیاد، ان کا پس منظر اور دیگر معلومات نہایت اختصار کے ساتھ آسان پیرائے میں بیان کرنے

کی کوشش کی گئی ہے۔

زیر نظر تقویم کا سب سے اہم باب عہد نبوی کی تقویم ہے جو اس پورے عرصہ پر محیط ہے۔ یہ تمام معلومات اور نتائج اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ محققین کے علاوہ عام قاری بھی ان سے حسابی الجھنوں میں پڑے بغیر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تقویم نبوی سے مراد عام اہل علم کے علاوہ سیرت نبوی کے طالبعلم بھی پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان نے بھی اس کی اشاعت کی حمایت کی ہے اور اس کی افادیت کو تسلیم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے سیرت نبوی کے طالبعلم اور اہل علم کے لئے نادر تحفہ ہے، کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ (ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب اسلامی قانون شہادت اور مسلم خواتین

مؤلفین ۱۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدظلہ ۲۔ مولانا مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی

سائز۔ ۲۶ × ۲۰ / ۸ ۔ کل صفحات۔ ۹۶۔ قیمت۔ درج نہیں۔

ناشر۔ مکتبہ بنوریہ۔ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ ایسا جامع قانون ہے جو جملہ انسانیت کا محافظ اور خیر خواہ ہے ثبوت شرعی کا سب سے مؤثر ذریعہ "شہادت" ہے قرآن کریم نے "شہادت" کی بعض شرائط، گواہوں کی تعداد، دو مرد نہ ہونے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو معیار ثبوت قرار دیا ہے۔ فقہاء کرام نے آیات واحادیث کو سامنے رکھ کر شہادت کے مختلف درجات قائم کئے اور احکام منضبط کئے ہیں۔ جن کے مطابق "زنا اور بدکاری" میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہوگی۔ عورتوں کی شہادت غیر معتبر شمار کی جائے گی۔ حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی، طلاق کے مقدمات اور دوسرے مالی مقدمات میں عورتوں کی شہادت اس طرح قبول کی جاتی ہے کہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں شہادت دیں۔ البتہ عورتوں کے مخصوص معاملات کے متعلق کوئی امر ہو تو اس میں تنہا عورت کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ ان سب کی تفصیل اور وجوہات کتابوں میں موجود ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب دراصل دو قیمتی مقالات کا مجموعہ ہے جو اسلامی قانون شہادت کے مسئلہ پر تحریر کئے گئے تھے۔ جن میں قرآن، احادیث اور فقہ کی مستند کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے سب سے پہلے یہ مقالات روزنامہ جنگ کراچی اور روزنامہ جسارت کراچی میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان مقالات کی اہمیت، افادیت اور جامعیت کے پیش نظر ان کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ جس کے سبب یہ علمی تحریریں محفوظ اور قابل مطالعہ بن گئی ہیں۔ ان مقالات کے مستند ہونے کے لئے حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ العالی کا اسم گرامی ہی کافی ہے۔ اہل علم کے لئے ان کا مطالعہ مزید بصیرت کا سبب ہوگا اور عدالتی فرائض انجام

دینے والوں کو زیادہ غور و خوض سے نجات ملے گی اور اسلامی قانون شہادت کی حدود متعینہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی - یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے - اللہ تعالیٰ مؤلفین کی علمی کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے - کتاب ہر پڑھے لکھے مسلمان کے مطالعہ کے قابل ہے - کتابت ، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے

(ا-ا-خ-س)

نسبت باطنی کی علامت

ملفوظ۔ علامت نسبت باطن کے حاصل ہونے کے دو ہیں ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو دوسرے یہ کہ اللہ کے حکموں پر چلنے کی توفیق، چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالےٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے۔ ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جائے اور جس سے منع فرمایا ہے ان باتوں سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جائیں۔ (اشرف السوانح ص)